ماہنامہ

راہ اسلام

شمارہ ۱۶۹ - ۱۷۰، جون جولائی ۱۹۹۸ء

میلاد با سعادت

حضرت خاتم النبیین ﷺ و امام جعفر صادق علیہ السلام

اور ہفتۂ وحدت (۱۲ تا ۱۷ ربیع الاوّل)

مسلمانان عالم کو مبارک ہو.

مُبَشِّراً

بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي

اِسْمُهُ أَحْمَد

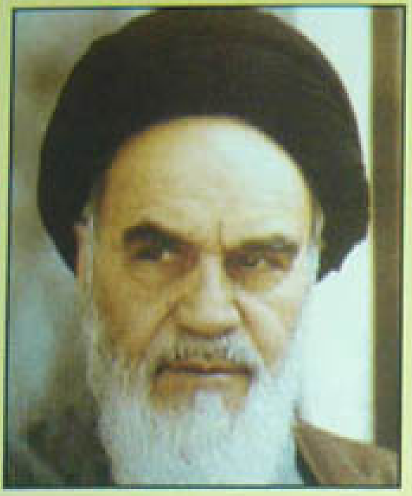

ایک امت واحدہ
کے عملی مظہر و جلوے کی
شناخت کا مطلب ایک عظیم
آرزو یعنی اسلامی وحدت کو
بروئے کار لانے کے سلسلے
میں ایک عملی قدم اور پھر
عالمی سیاست کے میدان
میں ایک متحدہ اسلامی اقتدار
کی جلوہ نمائی ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مد ظلہ العالی

☆اسلام کی کامیابی کاراز
اتحاداور وحدت کلمہ میں
پوشیدہ ہے۔

☆اسلامی اتحادو
اخوت کے سایہ میں اسلام
عزیز کی بھرپور حفاظت کی
جاسکتی ہے۔

امام خمینیؒ

ماھنامہ

راہ اسلام

شمارہ ۱۶۹-۱۷۰ - مئی - جون ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر:

محمد رضا باقری

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۱۸ تلک مارگ۔ نئی دہلی
۱۱۰۰۰۱

شالیمار آفسیٹ پرنٹرس۔ کوچہ چیلان۔ نئی دہلی۔ ۲

ادارتی و دیگر معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۳۲ مہارشی کروے روڈ (ایم۔ کے۔ روڈ)
بالمقابل چرنی روڈ۔ ریلوے اسٹیشن۔ بمبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

اداریہ: منادیان حقیقت ۲

قرآن کریم کی سورتوں کی وجہ تسمیہ ۴

وحدت واتحاد .... از: حجت الاسلام سید احمد خمینی مرحوم ۱۲

قافلۂ جہاد اور قافلۂ پیام ۱۸

خرداد سے خرداد تک ۲۵

عالم اسلام میں مذہب اور تمدن کا اتصال ۳۱

شعر ۳۴

ایرانی نقاشی ۳۵

خواتین اور عالمی ذرائع ابلاغ ۴۰

برصغیر ہند کی ثقافتی وسربلندی میں ۴۴

آپ کا صفحہ ۵۱

اہم خبریں ۵۲

انگریزی زبان میں مقالات واطلاعات ۵۷

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مقالے کا اسلامی جمہوریہ ایران کے نظریات کا مظہر ہونا لازمی نہیں ہے۔

اداریہ:

منادیان حقیقت

خداوند عالم نے جس وقت روئے زمین پر انسانی نسل ومعاشروں کی آفرینش وافزائش کا وسیلہ قرار دیتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کیا تھا اس وقت اس کو بخوبی معلوم تھا کہ بنی نوع انسان کو لازمی ہدایت ورہنمائی اور الٰہی آئین واحکام کی ضرورت ہوگی تاکہ وقت کی رفتار کے ساتھ وہ اپنے جملہ مادی اور معنوی امور میں منزل کمال کی طرف قدم بڑھا سکیں اور ہر قسم کے انحرافات ومفاسد سے دور رہیں۔ واضح رہے کہ پیغمبروں کی بعثت اور نبوت کے عہدہ کی سپردگی کے پیچھے یہی فلسفہ کارفرما رہا ہے چنانچہ پیغمبران الٰہی نے یکی بعد دیگری اپنی رسالت کے فرائض انجام دئے یہاں تک کہ خداوند عالم نے حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس وجود کو اس بات کے لئے آمادہ کیا کہ وہ آخری پیغمبر کی حیثیت سے اپنی عظیم رسالت کے فرائض انجام دیں۔

مذہب اسلام کے پیغمبر عظیم الشان نے خداوند عالم کی عطا کردہ صفات وخصوصیات کے ذریعہ ۲۳ سال تک الٰہی آئین واحکامات کی تبلیغ واشاعت کا کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور آخرکار اپنی غم انگیز رحلت کے ذریعہ اپنے تمام چاہنے والوں کو رنجیدہ وسوگوار کردیا لیکن اس سے قبل انہیں مرضی معبود کے مطابق اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردینا چاہئے تھا جن میں پیغمبر اکرمؐ جیسی صفات وصلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں اور اس اہم کام کے لئے ان کی آغوش کے پروردہ اہلبیت نبوت سے بہتر کون لوگ ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ لوگ نبوی تعلیمات کے سایہ میں پروان چڑھے تھے اور پیغمبرؐ نے انہیں عقل وفہم اور علم ومعرفت کے ان تمام گوشوں سے آشنا کردیا تھا جس کو سمجھنے اور عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت دوسرے لوگوں میں نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ اہلبیت رسالتؑ میں سے ہر ایک دین اسلام کی حفاظت کے لئے ہمہ تن آمادہ رہا ہے' چاہے اسے اس مقدس راہ میں اپنا مکمل سرمایۂ حیات ہی کیوں نہ نچھاور کرنا پڑے۔

پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد ابھی ۴۰ سال کا مختصر عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ معاویہ بن ابی سفیان کا بیٹا یزید اپنے باپ کی خواہش کے بموجب مسند خلافت مسلمین پر قابض ہوگیا اور اپنے حواریوں کو تخت خلافت کے اردگرد جمع کرلیا اسلام کے نام پر ایسے کام کرنے لگا جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یزید نے شرعی احکام میں ایسی الٹ پھیر شروع کردی کہ اسلام کا چہرہ ہی بدل گیا۔ الٰہی ارشادات اور سنت نبویؐ کے مذہب اسلام میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں یزیدی دور خلافت میں انہیں حلال کردیا گیا اور پیغمبر اکرمؐ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا تھا وہ حرام کردی گئیں۔ ایسے حالات میں نواسۂ رسولؐ حضرت ابا عبد اللہ الحسینؑ نے اسلام کی بقا وابدی حفاظت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے وہ حسینی انقلاب برپا کیا جس کا بنیادی نعرہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور جو تا قیام قیامت باقی رہنے والا ہے۔ اس انقلاب کی راہ میں حسین مظلومؑ نے عظیم قربانیاں پیش کیں اور اپنا سارا سرمایۂ حیات نچھاور کردیا تاکہ خداوند عالم کا پسندیدہ ترین دین اور ان کے جد بزرگوار کی گرانقدر امانت یعنی مذہب اسلام دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رہتے ہوئے الٰہی مقاصد کی راہ میں پیش قدم رہے اور اس الٰہی پیغام کو آفاقی حیثیت حاصل ہوجائے۔

امام حسینؑ نے رحلت پیغمبر اور والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ والد گرانقدر حضرت علیؑ اور برادر ارجمند امام حسنؑ کی شہادت کے بعد مذہب اسلام اور اپنی ذات کو ایسے حالات میں گرفتار پایا کہ ان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہ تھا کہ اسلام کی بقا وحفاظت کے لئے

اپنے اعزاء واقرباء اور عدیم المثال اصحاب وانصار کو قربان کردیں اور اس کے بعد "ان کان دین محمد لم یستقیم الا بقتلی....." کی آواز بلند کرتے ہوئے دشمن کی تلوار کو گلے لگالیں۔ جی ہاں! سرزمین کربلا میں رونما ہونے والے اس عظیم حسینی انقلاب نے جہاد' شہادت' اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پیروی کی اہمیت کو اور زیادہ نمایاں کردیا اور اس دور کے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی آزادی اور انسانیت کی حفاظت کا طریقہ سکھادیا۔

امام حسینؑ کا یہ عظیم انقلاب دنیا کے تمام مسلمانوں اور آزادی پسند لوگوں کے لئے ایک یادگاری درس بن گیا اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فقط اسلامی معاشروں میں رونما ہونے والے انقلابات ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی گوشہ میں رونما ہونے والی ہر آزادی طلب تحریک اس حسینی انقلاب سے یقیناً متاثر رہی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد سے لیکر امام مہدی آخر الزماں (عج) کی غیبت تک یکی بعد دیگرے جملہ ائمہ اطہارؑ مختلف انداز میں شہادت سے ہم آغوش ہوتے رہے۔ ان ائمہ معصومین نے اپنی مادی زندگی کے دوران اپنی شہادت کے ذریعہ اسلام محمدی کی بقاو حفاظت کا بھرپور انتظام کردیا اور اسلام کے متوالوں کو وہ طریقے سکھادئے جس کے ذریعہ وہ آنے والے وقت میں اس دین کی حفاظت کرسکیں۔

حضرت ولی عصر (عج) کی غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہونے کے بعد ائمہ اطہارؑ کے چاہنے والوں نے اسلامی نظام کی تشکیل کے لئے بہت کوشش کی لیکن ان کی ہر کوشش یا تو پوری طرح ناکام ہوگئی' یا حقیقی راہ سے منحرف ہوگئی اور ان کی کوشش کے نتیجے میں جو چیز ابھر کر سامنے آئی اس کا حقیقی اسلامی نظام سے کوئی رابطہ ہی نہ رہ گیا۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی ہجری میں پیغمبر اسلام کے خاندان میں ایک ایسی عظیم شخصیت نے جنم لیا جو آنے والے وقت میں اسلام اور اسلامی دنیا کے لئے سرمایہ افتخار بن گیا۔ اس شخصیت نے صحیح تربیت کی وجہ سے علمی' ادبی' فقہی اور سیاسی شعبوں میں ایسی ترقی حاصل کی کہ ابتدائی زمانہ میں اسلامی سماج اور اس کے تمام مسائل سے مکمل واقفیت ہوگئی۔ خودسازی کا مرحلہ طے کرنے کے بعد غیر معمولی وسعت نظر' مثالی شجاعت اور اسلام کی مکمل معرفت کے ساتھ عالمی سیاسی توازن پر بھرپور دسترس رکھتے ہوئے اس مرد بزرگ نے ایک ایسی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جس نے دنیا کی تمام سامراجی طاقتوں کو لرزہ براندام کردیا۔ اور اسلامی معاشرہ کی کمزور بنیادوں کو اتنا مضبوط بنادیا کہ وہ عالمی کفر والحاد و سامراج کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکے۔ جی ہاں! حضرت امام خمینیؒ نے ملت اسلامیہ ایران کی تربیت وقیادت کرتے ہوئے ایران میں اسلامی جمہوری نظام حکومت قائم کرکے پوری دنیا کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کردیا اور عالمی مسلمانوں کو اتحاد واسلامی اخوت وبرادری کی دعوت دی تاکہ انشاء اللہ مسلمانان عالم کی متحدہ کوششوں کے نتیجے میں اسلام اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرے اور دنیائے بشریت اسلام کی برکتوں اور نعمتوں سے مالامال ہوجائے۔

حضرت امام خمینیؒ کی رحلت کی نویں سالگرہ ملت اسلامیہ ایران اور مسلمانان عالم کو اس جدائی وہجری کی یاد دلاتی ہے جو ان کے ساتھیوں اور نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے یقیناً نہایت تلخ اور اذیت ناک تھی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت وترقی وخوشحالی کے سلسلے میں اس مرد الٰہی کی کوششوں سے واقف لوگ اس کی گرانقدر میراث کی حفاظت ضرور کریں گے اور اس سلسلے میں ذرہ برابر کوتاہی ولاپرواہی نہ ہونے دیں گے۔

ایران میں اسلامی جمہوری نظام کی تشکیل کے بعد ان کی سب سے بڑی اور گرانقدر میراث فلسفہ ولایت فقیہ اور اس کا عملی نمونہ ہے چنانچہ امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے ولی فقیہ کی حیثیت سے ملک وملت کی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور ان کی رہنمائی کے سایہ میں ایران کا اسلامی جمہوری نظام ٹیڑھے میڑھے راستوں کو پار کرتا ہوا عظمت وسربلندی کی طرف پیش قدم ہے تاکہ انشاء اللہ حجت حق حضرت قائم آل محمد (عج) کے ظہور کے ساتھ یہ امامت اس کے اصلی مالک ووارث کے سپرد کردی جائے اور کائنات کے ہر گوشہ میں حق وانصاف کا بول بالا ہوجائے۔

قرآن مجید وہ عظیم صحیفۂ الٰہی اور مقدس ترین آسمانی کتاب ہے جو پیغمبر اکرمؐ پر ایک عدیم المثال معجزہ کی حیثیت سے دنیائے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ خداوند عالم کی اس کتاب کا بغور مطالعہ کرے اور دوران مطالعہ اس بات کی طرف بھی متوجہ رہے کہ قرآن خود سے اس سے مخاطب ہے اور زندگی کے جملہ امور میں اسے اسی کتاب سے ہدایت ورہنمائی حاصل کرنی ہے' درحقیقت یہ قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہدایت ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خداوند عالم نے لے رکھی ہے۔

راہ اسلام کے گزشتہ شماروں میں قرآن مجید سے متعلق مفید معلومات کی اشاعت کے بعد اس شمارہ میں اس کتاب میں مندرج سورتوں کی وجہ تسمیہ بیان کی جارہی ہے تاکہ اس کتاب کے سلسلے میں ہماری معلومات میں قدرے اضافہ ہوتا رہے۔ (ادارہ)

قرآن کریم کی سورتوں کی وجہ تسمیہ

فاتحہ الکتاب: قرآن مجید کا سب سے پہلا سورہ حمد ہے اور چونکہ کتاب خدا کی شروعات اسی سورہ سے ہوتی ہے اسی وجہ سے اسے فاتحہ الکتاب اور ام الکتاب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ سورہ سات آیات پر مشتمل ہے اس وجہ سے اسے سبع المثانی بھی کہتے ہیں۔ یہ سورہ ہر نماز میں دوبار پڑھا جاتا ہے۔ مفسرین نے اس سورہ کو الاساس' الکافیہ اور الراقیہ بھی کہا ہے کیونکہ دیکھنے میں یہ سورہ چھوٹا ہے لیکن اس میں مذہب اسلام کا مکمل دستورالعمل یعنی توحید وعبادت سے لیکر مخالفین کے ساتھ مسلمانوں کے طرز سلوک واخلاق کی تمام باتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔

بقرہ: قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے۔ اس میں گائے کی قربانی کی داستان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کو راہ خدا میں قربانی کرنی چاہئے (ملاحظہ کیجئے سورہ بقرہ آیات ۶۷ سے ۷۱ تک)۔ یہ سورہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں مدینہ میں نازل ہوا۔

آل عمران: قرآن مجید کا تیسرا سورہ ہے جس کا مطلب ہے عمران کی اولاد۔ اس سورہ کا نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد حضرت عمران سے ماخوذ ہے (سورہ آل عمران آیہ: ۳۳) یہ سورہ بھی مدینہ میں نازل ہوا ہے۔

نساء: یہ قرآن مجید کا چوتھا سورہ ہے جس میں خواتین کے حقوق اور ان کے فرائض کے بارے میں بتایا گیا ہے (ملاحظہ کیجئے سورہ نساء آیات ۱تا۷) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ جنگ احد کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ہجرت کے چوتھے سال نازل ہوا ہے۔

مائدہ: قرآن مجید کا پانچواں سورہ ہے جس کا نام لفظ مائدہ پر رکھا گیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے سجا ہوا دستر خوان اور جس کی طرف اس سورہ کی ۱۱۴ ویں آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ آیہ مبارکہ "الیوم اکملت لکم دینکم" کے علاوہ اس سورہ کی تمام آیات مدینہ میں نازل ہوئیں اور آیہ الیوم ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر جحفہ نامی مقام پر نازل ہوئی ہے۔

انعام: قرآن مجید کا چھٹا سورہ ہے چونکہ سورہ کی آیہ ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں انعام یعنی چوپایوں کا ذکر کیا گیا ہے اور مشرکین اپنے چوپایوں کے بارے میں جو خرافاتی اعتقادات رکھتے تھے ان کی اعلانیہ تردید کی گئی ہے اسی وجہ سے اس سورہ کو لفظ انعام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا نزول ہجرت کے قریب مکہ میں ہوا ہے۔

اعراف: یہ قرآن مجید کا ساتواں سورہ ہے جس کے نام کا مطلب ہے بلند مقامات اور جس کا ذکر اس سورہ کی ۴۶ ویں آیہ کریمہ میں موجود ہے۔ اکثر مفسرین کا عقیدہ ہے کہ یہ جنت اور دوزخ کے درمیان واقع جگہ کا نام ہے شیخ سعدی نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است

اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا ہے۔

انفال: یہ قرآن مجید کا آٹھواں سورہ ہے جس کا مطلب ہے غنائم جنگی۔ انفال جمع نفل کی اور اس سے مراد جنگ میں دشمن سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہے اور جس پر جنگ میں شریک مجاہد کا زیادہ حق ہوتا ہے۔ چونکہ اس سورہ کی ابتداء اسی لفظ سے ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو انفال کہا گیا ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے پہلے سال جنگ بدر کے موقع پر غنائم جنگی کی تقسیم کا درس دینے کے لئے نازل ہوا۔

توبہ: (برائت) قرآن مجید کا نواں سورہ ہے جس کا نام اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت یعنی آیہ برائت سے ماخوذ ہے اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ خداوند عالم اور اس کا پیغمبرؐ مشرکین سے برائت کے خواہاں ہیں اور برائت کا مطلب ہوتا ہے بیزاری۔ یہ پیغمبر اکرمؐ پر مدینہ میں نازل ہونے والا آخری سورہ ہے جس میں مشرکین اور منافقین سے قطع تعلقات کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں نجس کہا گیا ہے اور اسی کے ساتھ ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دینے کی بات بھی کہی گئی (آیہ مبارکہ ۱۰۴) یہ سورہ ہجرت کے نویں سال نازل ہوا۔

یونس: یہ قرآن مجید کا دسواں سورہ ہے جس کا نام حضرت یونس پیغمبر خداؑ کے نام پر رکھا گیا ہے اور سورہ کی آیہ مبارکہ ۹۸ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

ھود: قرآن مجید کا گیارھواں سورہ جس کا نام پیغمبر خدا حضرت ھودؑ کے نام سے ماخوذ ہے اور سورہ کی پچاسویں آیت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔

یوسف: قرآن مجید کا بارھواں سورہ ہے جس میں یعقوب کے بیٹے یوسف کی داستان بیان کی گئی اور سورہ مبارکہ کی چوتھی آیت سے لیکر ایک سو چار آیت تک اس داستان کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

رعد: یہ قرآن مجید کا تیرھواں سورہ ہے جس کو بارش سے وحی خداوندی کی مشابہت کی وجہ سے رعد یعنی بادلوں کی گڑگڑاہٹ کہا گیا ہے۔ رعد کو خداوند عالم کا تسبیح خواں بھی کہا گیا ہے (آیہ مبارکہ: ۱۳) اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔

ابراہیم: یہ قرآن مجید کا چودھواں سورہ ہے جس کو شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر سورہ ابراہیم کہا گیا ہے اور اس سورہ کی آیہ کریمہ ۳۵ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ اس کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔

حجر: یہ قرآن مجید کا پندرھواں سورہ ہے جس کا نام ایک قوم کے نام پر رکھا گیا ہے جس کا ذکر اصحاب الحجر کے نام سے اسی سورہ کی آیہ مبارکہ ۸۰ میں موجود ہے۔ حجر منازل ثمود کا نام بھی رہا ہے جو

وادی القریٰ میں تیماء کے نزدیک آباد رہے ہیں اور جو اب مدائن صالح کے نام سے معروف ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

نحل: یہ قرآن مجید کا سولہواں سورہ ہے جس کے نام کا مطلب ہے شہد کا چھتہ اور جس کی طرف اسی سورہ کی ۶۸ ویں آیت میں اشارہ موجود ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اسراء: (بنی اسرائیل) یہ قرآن مجید کا سترھواں سورہ ہے جس کو دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسراء کا مطلب ہے رات میں سیر کرنا اور دوسرا نام ہے بنی اسرائیل۔ پہلا نام اس سورہ کی پہلی آیت اور دوسرا نام دوسری آیت میں موجود ہے۔ اسراء سے مراد رات ورات پیغمبر اسلام کا مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کا سفر ہے جس کو معراج کہا جاتا ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

کہف: یہ قرآن مجید کا اٹھارہواں سورہ ہے جس میں اصحاب کہف ورقیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

مریم: یہ قرآن مجید کا انیسواں سورہ ہے جس میں حضرت مریم اور عیسیٰ کی ولادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ کی آیۂ مبارکہ ۱۶ سے ۳۴ تک ان دونوں داستانوں کا ذکر موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

طٰہٰ: یہ قرآن مجید کا بیسواں سورہ ہے جو ایک حرف مقطعہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس سورہ میں رسول خدا کو مخاطب کیا گیا ہے' اسی وجہ سے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ طٰہٰ آنحضرتؐ کے ناموں میں سے ایک ہے' اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

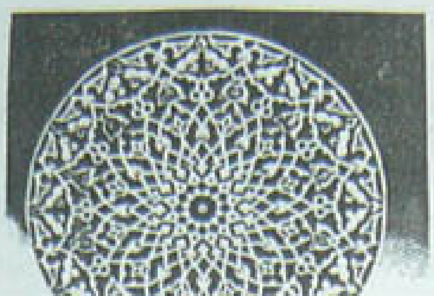

انبیاء: یہ قرآن مجید کا اکیسواں سورہ ہے جس میں نوح وابراہیم واسحاق واسماعیل وداؤد وسلیمان و ایوب اور یونس (علیہم السلام) نامی پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

حج: یہ قرآن مجید کا ۲۲واں سورہ ہے جس کی آیۂ کریمہ میں لفظ حج موجود ہے۔ اس سورہ کے محل نزول کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے مکی اور دوسرے کچھ علماء اسے مدنی کہتے ہیں لیکن اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا نزول مدینہ میں ہوا۔

حج درحقیقت نماز روزہ وزکوٰت وخمس کی طرح مذہب اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے اور ہر مستطیع مسلمان پر اپنی زندگی میں ایک بار حج کرنا واجب ہے تاکہ وہ خانۂ کعبہ کی زیارت اور حج کے دوران دیگر عبادتوں کے انجام دینے کا شرف حاصل کرسکے۔

مومنون: قرآن مجید کا ۲۳واں سورہ ہے جس کا آغاز اس جملہ سے ہوتا ہے کہ بیشک مومنین نجات یافتہ وآزاد ہیں۔ پہلی آیت سے نویں آیت تک مومن کی صفات کا ذکر ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

نور: یہ قرآن مجید کا ۲۴واں سورہ ہے جس کی ۳۵ویں آیت میں اس کے نام کا ذکر ملتا ہے اور اسی لئے اسے آیۂ نور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

فرقان: یہ قرآن مجید کا ۲۵واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے حق وباطل کے درمیان جدائی وعلیحدگی پیدا کرنے والا۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ فرقان قرآن مجید کے مختلف ناموں میں سے ایک ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

شعراء: یہ قرآن مجید کا ۲۶واں سورہ ہے جس کی ۲۲۴ ویں آیہ کریمہ میں شاعروں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور اس سورہ کے نام کا واضح ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

نمل: یہ قرآن مجید کا ۲۷واں سورہ ہے۔ لفظ نمل کا مطلب ہے چیونٹیاں۔ اسی سورہ کی اٹھارہویں آیہ کریمہ میں چیونٹیاں اور ان کی جائے سکونت کا ذکر موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

قصص: یہ قرآن مجید کا ۲۸واں سورہ ہے جس میں گزرے ہوئے لوگوں کی داستان بیان کی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے قصہ سے اس کی ابتداء ہوئی ہے اور قارون واس کے خزانہ کا قصہ اس

سورہ میں مذکورہ آخری داستان ہے۔ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوا۔

عنکبوت: یہ قرآن مجید کا ۲۹واں سورہ ہے جس کا نام اسی سورہ کی ۴۱ویں آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

روم: یہ قرآن مجید کا ۳۰واں سورہ ہے جس کی دوسری آیہ کریمہ میں رومیوں کے ذکر کے ذیل میں اس سورہ کا نام بھی موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

لقمان: یہ قرآن مجید کا ۳۱واں سورہ ہے جس میں حکیم عرب لقمان اور اس کی حکیمانہ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

سجدہ: یہ قرآن مجید کا ۳۲واں سورہ ہے جس کی ۲۲ویں آیت میں جنگ احزاب یا خندق کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

سبا: یہ قرآن مجید کا ۳۴واں سورہ ہے جس میں عربستان کے جنوب میں واقع ملک سبا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا۔

فاطر: یہ قرآن مجید کا ۳۵واں سورہ ہے جس کو سورۂ ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔ فاطر کا مطلب ہے پیدا کرنے والا اور ملائکہ سے مراد فرشتے ہیں اور یہ دونوں ہی نام اس سورہ کی پہلی آیہ کریمہ میں موجود تھا۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

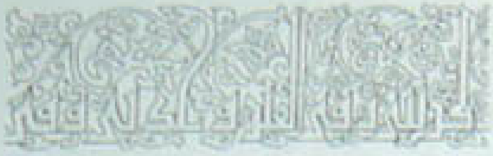

یٰس: یہ قرآن مجید کا ۳۶واں سورہ ہے جس کا آغاز حروف مقطعہ یا و سین سے ہوتا ہے۔ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔

صافات: یہ قرآن مجید کا ۳۷واں سورہ ہے جو کلمہ "الصافات" سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلب ہے: قسم ان فرشتوں کی جو عبادت خداوندی اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں صف بستہ ہیں۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

ص: قرآن مجید کا ۳۸واں سورہ ہے جو صاد سے شروع ہوتا ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

زمر: یہ قرآن مجید کا ۳۹واں سورہ ہے جس کو دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک تو زمر ہے جس کا مطلب ہے پراگندہ و بکھرے ہوئے گروہ، دوسرا نام عزف ہے جس کا مطلب ہوتا ہے بلند و بالا حیثیت والی جگہ۔ لفظ الزمر کا ذکر اسی سورہ کی ۷۱ویں اور ۷۳ویں آیات میں اور عزف کا ذکر دوسری آیہ کریمہ میں موجود ہے لیکن یہ سورہ زمر کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

مومن: یہ قرآن مجید کا ۴۰واں سورہ ہے۔ اس کا دوسرا نام غافر بھی ہے جس کا مطلب ہے آموزندہ اور مومن کا مطلب ہے مائل و گرویدہ ہونے والا۔ واضح رہے کہ اس جگہ مومن کافر کی ضد کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا بلکہ خانوادہ فرعون کی صفت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور اسی سورہ کی ۲۸ویں آیت میں اس کا ذکر موجود ہے اور کلمہ غافر اس سورہ کی تیسری آیت میں اس طرح مذکور ہے "غافر الذنب" یعنی گناہوں کو بخشنے والا۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

فصلت: یہ قرآن مجید کا ۴۱واں سورہ ہے۔ اس سورہ کے بھی دو نام ہیں ایک فصلت یعنی جس کی تفصیل بیان کی گئی ہو اور دوسرا نام سجدہ ہے۔ فصلت اس سورہ کی دوسری آیت میں اور سجدہ ۳۷ویں آیت میں مذکور ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

شوریٰ: یہ قرآن مجید کا ۴۲واں سورہ ہے جس کا نام اس سورہ کی ۳۸ویں آیت سے ماخوذ ہے اس سورہ میں لوگوں کو اپنے معاملات میں مشورہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

زخرف: یہ قرآن مجید کا ۴۳واں سورہ ہے جس کے نام کا ذکر اس سورہ کی ۳۵ویں آیت میں موجود ہے جس کا مطلب ہے زر و زیور۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

دخان: یہ قرآن مجید کا ۴۴واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے دھواں اور گرمی اور جو آسمان کی طرف کنایہ ہے۔ اس سورہ کا نام ۱۰ویں آیہ کریمہ میں مذکور ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

جاثیہ: یہ قرآن مجید کا ۴۵واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے دوزانو بیٹھنا اور حملے کے لئے آمادہ ہونا۔ اس کا ذکر اسی سورہ کی ۲۸ویں آیت میں مذکور ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

احقاف: یہ قرآن مجید کا ۴۶واں سورہ ہے جس کا نزول مکہ میں ہوا۔ احقاف ریت کے ٹیڑھے میڑھے بڑے ڈھیر کو کہتے ہیں اور یہ ڈھیر عمان اور عدن کے درمیان واقع ساحلی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے جنوب میں حضر موت اور مشرق میں ایک بڑا دریا ہے۔ احقاف جمع ہے حقف کی جو اسی سورہ کی ۲۱ویں آیہ کریمہ سے ماخوذ ہے۔

محمد: یہ قرآن مجید کا ۴۷واں سورہ ہے جس کا دوسرا نام قتال ہے جس کا مطلب ہے جنگ کرنا۔ پہلا نام سورہ کی دوسری آیت میں اور دوسرا نام ۲۰ویں آیت میں مذکورہ ہے۔ اس سورہ کا نزول مدینہ میں ہوا۔

فتح: یہ قرآن مجید کا ۴۸واں سورہ ہے جس کی پہلی آیہ کریمہ کی شروعات اس طرح ہوتی ہے۔ "انا فتحنا لک فتحامبینا" یعنی ہم نے تمہیں عظیم کامیابی عطا کی۔ سورہ کا نام اسی آیت سے ماخوذ ہے یہ سورہ مدینہ میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا۔

حجرات: یہ قرآن مجید کا ۴۹واں سورہ ہے اس کا مطلب ہے کمرے اور اسی سورہ کی چوتھی آیت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ یہ حجرہ کی جمع ہے۔ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

ق: یہ قرآن مجید کا ۵۰واں سورہ ہے۔ حرف ق حرف مقطع ہے جو اسی سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

ذاریات: یہ قرآن مجید کا ۵۱واں سورہ ہے جس کا نام کلمۂ الذاریات سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ان تیز اور طوفانی ہواؤں کی قسم، اس کا ذکر اس سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ بعثت کے چوتھے سال مکہ میں نازل ہوا۔

طور: یہ قرآن مجید کا ۵۲واں سورہ ہے جس سے مراد کوہ طور ہے اور جس کا ذکر اسی سورہ کی پہلی آیہ کریمہ میں موجود ہے۔ یہ سورہ بھی مکہ میں بعثت پیغمبرؐ کے چوتھے سال نازل ہوا۔

نجم: یہ قرآن مجید کا ۵۳واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے ستارہ پروین۔ اس کا ذکر اسی سورہ کی پہلی آیہ کریمہ میں موجود ہے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

قمر: یہ قرآن مجید کا ۵۴واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے چاند اور اس کا ذکر سورہ کی پہلی آیہ کریمہ میں مذکور ہے۔ یہ سورہ بھی بعثت کے چوتھے سال میں مکہ میں نازل ہوا۔

رحمٰن: یہ قرآن مجید کا ۵۵واں سورہ ہے جس کا آغاز لفظ رحمٰن سے ہوتا ہے۔ یعنی خدائے بخشندہ۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

واقعہ: یہ قرآن مجید کا ۵۶واں سورہ ہے۔ اس جگہ واقعہ سے مراد قیامت ہے اور یہ لفظ واقعہ سورہ کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

حدید: یہ قرآن مجید کا ۵۷واں سورہ ہے جو کلمہ حدید سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے آہن اور جس کا ذکر سورہ کی ۲۵ویں آیت میں موجود ہے۔ اکثر مفسرین اس سورہ کو مکی کہتے ہیں لیکن بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

مجادلہ: یہ قرآن مجید کا ۵۸واں سورہ ہے۔ لفظ مجادلہ سورہ کی پہلی آیت میں استعمال ہوا ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے تیسرے سال مدینہ میں نازل ہوا۔

حشر: یہ قرآن مجید کا ۵۹واں سورہ ہے جس کا ذکر سورہ کی دوسری آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے چوتھے سال مدینہ میں نازل ہوا۔

ممتحنہ: یہ قرآن مجید کا ۶۰واں سورہ ہے جو لفظ امتحان سے ماخوذ ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ سورہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر ہجرت کے ساتویں سال نازل ہوا۔

صف: یہ قرآن مجید کا ۶۱واں سورہ ہے جو لفظ صف سے مشتق ہے اور جس کا ذکر سورہ کی چوتھی آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول مدینہ میں ہوا۔

جمعہ: یہ قرآن مجید کا ۶۲واں سورہ ہے جس سے مراد روز جمعہ ہے اور جس کا ذکر سورہ کی نویں آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ نماز جمعہ کے لئے مخصوص ہے۔ ابن عباس کے علاوہ جملہ مفسرین نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے۔

منافقون: یہ قرآن مجید کا ۶۳واں سورہ ہے اور لفظ منافقون کا ذکر سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔

تغابن: یہ قرآن مجید کا ۶۴واں سورہ ہے اور لفظ تغابن کا مطلب ہے ایک دوسرے کو نقصان پہونچانا جس کا ذکر اسی سورہ کی نویں آیۂ کریمہ میں موجود ہے۔ اکثر مفسرین اس کو مدنی سورہ تسلیم کرتے ہیں۔

طلاق: یہ قرآن مجید کا ۶۵واں سورہ ہے جس میں طلاق اور عورتوں کی نجات ورہائی کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ ہجرت کے ساتویں سال اس سورہ کا نزول مدینہ میں ہوا۔

تحریم: یہ قرآن مجید کا ۶۶واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے حرام کردینا اور جو اسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور جس کا نزول بعثت کے ساتویں سال مکہ میں ہوا۔

ملک: یہ قرآن مجید کا ۶۷واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے بادشاہی اور جس کا ذکر سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں ہوا۔

قلم: یہ قرآن مجید کا ۶۸واں سورہ ہے جو لفظ قلم سے وابستہ اور اس سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں ہوا۔ اس سورہ کا دوسرا نام "نون" ہے۔ جس کا مطلب ہے دوات اور ایک دوسرے قول کے مطابق نون کا مطلب ماہی بھی ہوتا ہے۔

حاقہ: یہ قرآن مجید کا ۶۹واں سورہ ہے جس کا نام لفظ الحاقہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے روز قیامت جو بہر حال حق ہے۔ اس کا ذکر اس سورہ کی دوسری اور تیسری آیات میں موجود ہے۔

معارج: یہ قرآن مجید کا ۷۰ واں سورہ ہے۔ جس کا نام لفظ معارج سے ماخوذ ہے۔ معارج معراج کی جمع ہے جس کا ذکر اسی سورہ کی تیسری آیت میں موجود ہے۔ یہ سورہ بعثت کے تیسرے سال مکہ میں نازل ہوا۔

نوح: یہ قرآن مجید کا ۷۱واں سورہ ہے جس کا نام پیغمبر خدا حضرت نوحؑ سے وابستہ ہے اور جس کا ذکر اسی سورہ کی پہلی آیۂ کریمہ میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں ہوا۔

جن: یہ قرآن مجید کا ۷۲واں سورہ ہے۔ لفظ جن اسی سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے، یہ سورہ بعثت کے تیسرے سال مکہ میں نازل ہوا۔

مزمل: یہ قرآن مجید کا ۷۳واں سورہ ہے لفظ مزمل کا مطلب ہے کمبل لپیٹے ہوئے۔ اس لفظ کا استعمال اسی سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے اور بعثت کے پہلے سال میں اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔ مزمل درحقیقت پیغمبر اسلام کی طرف اشارہ ہے جو نزول وحی کے موقع پر پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور اپنے جسم پر کمبل لپیٹے رہتے تھے۔

مدثر: یہ قرآن مجید کا ۷۴واں سورہ ہے۔ مدثر لفظ کا مطلب ہے ایسا شخص جس نے اپنے بدن پر کپڑا لپیٹ رکھا ہو اور یہ لفظ اسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔ مدثر درحقیقت رسول اکرم کی طرف اشارہ ہے جو نزول وحی الٰہی کے موقع پر پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کپڑا لپیٹ لیا کرتے تھے۔ یہ سورہ بعثت کے دوسرے سال مکہ میں نازل ہوا۔

قیامۃ: یہ قرآن مجید کا ۷۵واں سورہ ہے۔ جو لفظ قیامت سے ماخوذ ہے اور جس کا ذکر اسی سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

دہر: یہ قرآن مجید کا ۷۶واں سورہ ہے۔ دہر کا مطلب ہے طولانی زمانہ۔ اس کے علاوہ اس سورہ کا دوسرا نام انسان ہے اور یہ دونوں نام اس سورہ کی پہلی آیت میں مذکور ہیں اور اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

مرسلات: یہ قرآن مجید کا ۷۷واں سورہ ہے جس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لگاتار بھیجے جائیں یا نازل ہوں۔ اس لفظ کو اس سورہ کی پہلی آیت میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

نبا: یہ قرآن مجید کا ۷۸واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے خبر اور جس کا ذکر اس سورہ کی دوسری آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

نازعات: یہ قرآن مجید کا ۷۹واں سورہ ہے جس سے مراد کافروں کی جان لینے والے فرشتے ہیں۔

یہ لفظ اس سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے اور اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

عبس: یہ قرآن مجید کا ۸۰ واں سورہ ہے جس سے مراد ناراضگی اور منہ پھیر لینا ہے اس کا ذکر اس سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے اور یہ سورہ بعثت کے دوسرے سال مکہ میں نازل ہوا۔

کوّرت: یہ قرآن مجید کا ۸۱ واں سورہ ہے جس سے مراد اپنے آپ میں لپٹا ہوا سانپ ہے۔ اس سورہ کی پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا اور اس کا دوسرا نام "تکویر" بھی ہے۔

انفطار: یہ قرآن مجید کا ۸۲ واں سورہ ہے جس سے مراد ہے کھلا ہوا سانپ اور اس کا نام اسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت پیغمبرؐ کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

مطففین: یہ قرآن مجید کا ۸۳ واں سورہ ہے جس سے مراد کم تولنے والے ہیں۔ اس کا نام اس سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

انشقاق: یہ قرآن مجید کا ۸۴ واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے شگافتہ ہونا اور اس کا نام اسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورہ بعثت کے دوسرے سال مکہ میں نازل ہوا۔

بروج: یہ قرآن مجید کا ۸۵ واں سورہ ہے۔ یہ برج کی جمع ہے جس کا مطلب ہے چوٹیاں۔ اس کا نام سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔ بروج سے مراد بارہ کواکب ہیں جو شمسی سال کے بارہ مہینوں کو چار فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان برجوں کے نام اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔ حمل، ثور، جوزا (فصل بہار) سرطان، اسد و سنبلہ (گرمی کے تین ماہ) ماہ و عقرب و قوس (پائیز یعنی Autumn کے تین ماہ) جدی و دلو و حوت (جاڑے کے تین ماہ)

طارق: یہ قرآن مجید کا ۸۶ واں سورہ ہے جس سے مراد صبح کے وقت چمکنے والا ستارہ ہے۔ سورہ کی پہلی آیت میں یہ نام موجود ہے اور بعثت کے دوسرے سال اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

اعلیٰ: یہ قرآن مجید کا ۸۷ واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے بہتر و بلند تر۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

غاشیہ: یہ قرآن مجید کا ۸۸ واں سورہ ہے۔ اس سے مراد برتر و بافضیلت تر ہے اور اس کا نام سورہ کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔ لفظ غاشیہ سے قیامت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فجر: یہ قرآن مجید کا ۸۹ واں سورہ ہے جس سے مراد صبح سویرے کا وقت ہے۔ اس کا ذکر سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

بلد: سورہ بلد قرآن مجید کا ۹۰ واں سورہ ہے جس سے مراد شہر اور شہر مکہ ہے۔ اس سورہ کا نام اس کی پہلی آیت میں مذکورہ ہے اور سورہ کا نزول بعثت پیغمبر کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

شمس: یہ قرآن مجید کا ۹۱ واں سورہ ہے جس کا نام سورہ کی پہلی آیہ کریمہ سے ماخوذ ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

لیل: یہ قرآن مجید کا ۹۲ واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے رات اور اس کا نام سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور سورہ کا نزول بعثت کے دوسرے سال مکہ میں ہوا۔

ضحیٰ: یہ قرآن مجید کا ۹۳ واں سورہ ہے جس سے مراد دوپہر کے کھانے کا وقت ہے اس سورہ کا نام اس کی پہلی آیت میں مذکور اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

انشراح: یہ قرآن مجید کا ۹۴ واں سورہ ہے جس کا مطلب کھلا ہوا اور فراخ دل ہونا ہے اور اس کا نام سورہ کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

تین: یہ قرآن مجید کا ۹۵ واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے انجیر۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیہ کریمہ سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

علق: یہ قرآن مجید کا ۹۶ واں سورہ ہے جس کو اس سورہ کی دوسری آیت سے اخذ کیا گیا ہے اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

قدر: یہ قرآن مجید کا ۹۷ واں سورہ ہے جس میں شب قدر کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سورہ کا نام اس کی پہلی، دوسری اور تیسری آیات میں مذکور ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔ لیلۃ القدر یعنی

عظمت وفضیلت والی رات جس میں نزول قرآن کی شروعات ہوئی۔ سعدی فرماتے ہیں "اگر تمام راتیں عظمت وفضیلت کی حامل ہوتیں تو پھر شب قدر کی کوئی قدرو منزلت نہ ہوتی۔"

بینہ: یہ قرآن مجید کا ۹۸واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے دلیل وحجت اور اس سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے دوسرے دوسرے سال مدینہ میں نازل ہوا۔

زلزال: یہ قرآن مجید کا ۹۹واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے زلزلہ یا ہلانا۔ یہ نام سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں۔

عادیات: یہ قرآن مجید کا ۱۰۰واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے ہانپتے ہوئے گھوڑے۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

قارعہ: یہ سورہ قرآن مجید کا ۱۰۱واں سورہ ہے۔ جس کا مطلب ہے کوٹنے والا۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

تکاثر: یہ قرآن مجید کا ۱۰۲واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے افزائش طلبی۔ پہلی آیہ کریمہ میں سورہ کا نام موجود ہے اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

عصر: یہ قرآن مجید کا ۱۰۳واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے زمانہ۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

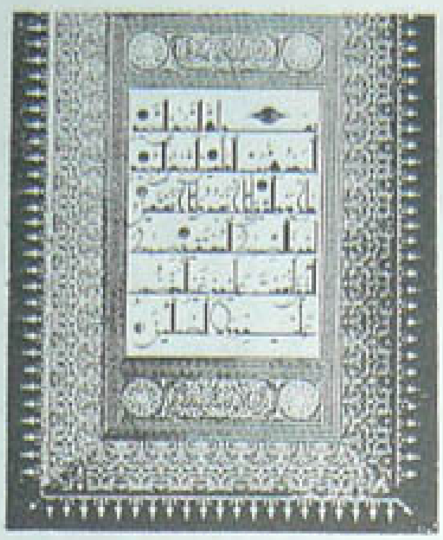

ہمزہ: یہ قرآن مجید کا ۱۰۴واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے عیب تلاش کرنے والا اور بہت طعنہ زنی کرنے والا۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

فیل: یہ قرآن مجید کا ۱۰۵واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے ہاتھی اور جس کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔ ابرھہ نامی حبشی سردار کے سپاہیوں کو اصحاب فیل کہا گیا ہے کیونکہ ابرھہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کی فوج نے شہر مکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہ خانہ کعبہ کو تباہ وبرباد کر دینا چاہتا تھا لیکن خداوند عالم نے ابابیل نامی چھوٹی چڑیوں کو اس کے مقابلے کے لئے بھیج دیا اور ابابیل نے چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ ابرھہ کے لشکر کا کام تمام کر دیا۔

قریش: یہ قرآن مجید کا ۱۰۶واں سورہ ہے جس کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

ماعون: یہ قرآن مجید کا ۱۰۷واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے گھر کا ساز وسامان ہے۔ اس سورہ کا نام اس کی ۷ویں آیت سے ماخوذ ہے لفظ ماعون کا استعمال بخشش اور صدقہ کے لئے بھی کیا گیا ہے۔ یہ سورہ بعثت کے پہلے سال مکہ میں نازل ہوا۔

کوثر: یہ قرآن مجید کا ۱۰۸واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے نیکی اور بھلائی کی کثرت۔ سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

نصر: یہ قرآن مجید کا ۱۱۰واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے نصرت وحمایت سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور سورہ کا نزول ہجرت کے دسویں سال مدینہ میں ہوا۔

ابولھب: یہ قرآن مجید کا ۱۱۱واں سورہ ہے جس میں رسولؐ کے چچا ابولھب کی ملامت ہے سورہ کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس کا نزول بعثت کے پہلے سال مکہ میں ہوا۔

اخلاص: یہ قرآن مجید کا ۱۱۲واں سورہ ہے جس کا مفہوم ہے اخلاص وطہارت قلب کے ساتھ خداوند عالم کی عبادت اور ذکر الٰہی کرنا۔ سورہ کا نام اس کی آیات سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ اخلاص وہ صفت ہے جو اس سورہ کو دی گئی ہے۔ اس سورہ کا نزول مکہ میں ہوا۔

فلق: یہ قرآن مجید کا ۱۱۳واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے صبح سویرے۔ سورہ کا نام پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال میں مکہ میں ہوا۔

ناس: یہ قرآن مجید کا ۱۱۴واں سورہ ہے جس کا مطلب ہے لوگ' اس کا نام سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اس سورہ کا نزول بعثت کے پہلے سال میں مکہ میں ہوا۔

وحدت و اتحاد
امام خمینیؒ کے افکار و عقائد کی روشنی میں

از حجت الاسلام حاج سید احمد خمینیؒ
(ناب شاہ)

جاہلیت کی سیاہ و تاریک سرزمین پر اسلام کے روشن و تابناک آفتاب کی کرنوں کے چمکتے ہی جاہلیت آمیز زندگی کے افق پر امید کی صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی اور لوگوں کو اپنی تاریک زندگی میں روشنی اور گرمی محسوس ہونے لگی۔ غلاموں کے دل میں نجات و آزادی کی امید جاگ اٹھی اور ان کی آنکھوں میں ہمیشہ باقی رہنے والی چمک پیدا ہوگئی۔

دنیا کے ہر گوشے میں نغمۂ توحید کی آواز گونج اٹھی اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی دعوت نے قوموں، قبیلوں اور جماعتوں و گروہوں میں متفرق و پراگندہ اور منتشر و منقسم لوگوں کو متحد و منسجم بنادیا۔

یہ سب کچھ پیام آور توحید و رسول وحدت حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰؐ کے میلاد مسعود و پرنور کی برکتوں کا کرشمہ تھا جس نے اپنی بعثت کے ساتھ انسانی برادری کو اخوت و بھائی چارہ کا پیغام سنایا۔

ان یادگار اور عظیم الشان ایام کو گزرے ہوئے تقریباً چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ بیت چکا ہے پھر بھی صاحبان ایمان کے قلوب اس توحیدی نغمے کی وجہ سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور یہ توحیدی نغمہ آج بھی لوگوں کو پسندیدہ ترین راہ وروش کے توحید کلمہ اور کلمۂ توحید کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ خواہ ناخواہ ماضی میں رونما ہونے والے بعض ناگوار حوادث کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں تفرقہ واختلاف پیدا ہوگیا۔ دنیا کی اسلام دشمن واقتدار طلب طاقتوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی شرمناک سازشوں اور ناپاک منصوبوں کے ذریعہ اسلامی ممالک میں تعینات اپنے زرخرید غلاموں کی مدد سے ان سبھی ہتھکنڈوں کا بھرپور استعمال کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان سیاسی اتحاد قائم نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کے درمیان مختلف النوع اور نت نئے فرقوں کی ایجاد انہیں اسلام دشمن سامراجی طاقتوں کی دین ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان وحدت و قربت کے نظریہ کو مقبولیت نہ حاصل ہونے پائے۔

لیکن یہ خداوند عالم کا خصوصی لطف و کرم ہے کہ سرزمین ایران میں امام خمینیؒ کی قیادت میں عظیم الشان اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد مسلمانوں کے درمیان وحدت و قربت اور اسلامی معاشروں اور ملکوں کے درمیان سیاسی وحدت و اتحاد کے نظریہ کو نئی زندگی مل گئی اور ملت اسلامیہ عالم اس حقیقت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عظمت وسربلندی کا واحد راستہ اتحاد اور اسلامی اخوت ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی ولادت باسعادت کے موقع پر ہفتۂ وحدت اور اسلامی اتحاد کے موضوع پر قومی و عالمی سطح پر مذاکروں اور سمیناروں و کانفرنسوں کی تشکیل اور رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے حکم سے "تقریب مذاہب اسلامی" نامی عالمی ادارہ کی تاسیس اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ فقط اسلامی جمہوریہ ایران ہی اس زمانے میں مسلمانوں کے درمیان حقیقی وحدت و اتحاد کا علمبردار ہے۔

امید ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کی عداوت

ان کی غلاموں کی تفرقہ اندازی اور سامراجی فرقوں کی شیطانی سازشوں کے باوجود عنقریب ہی دنیا میں مسلمانوں کی کامیابی کی صبح نمودار ہونے والی ہے اور انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جبکہ اسلامی اخوت و برادری کا پیغام ساری دنیا میں پھیل جائے گا اور امت محمدی (ص) کے درمیان مستحکم سیاسی اتحاد بھی قائم ہو جائے گا۔ (ادارہ)

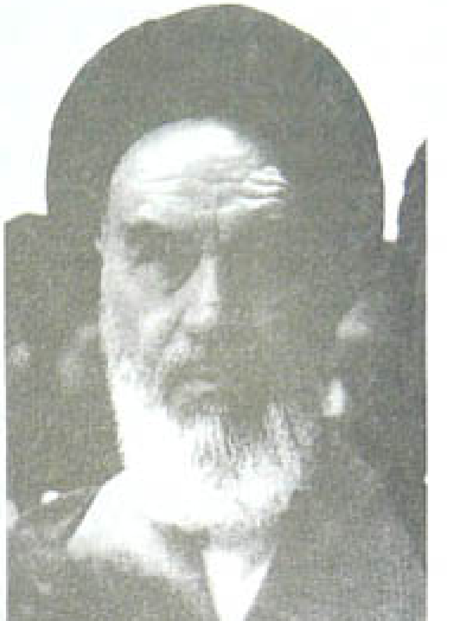

امام خمینیؒ اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے موجودہ صدی میں امت اسلامیہ عالم کے درمیان وحدت و اتحاد کی آواز بلند کی اور اسی اسلامی اتحاد کی بنیاد پر سرزمین ایران میں اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل کا کارنامہ انجام دیا اسی وحدت و اتحاد کے سہارے اسلامی حکومت کو ثابت و استوار کیا اور اس کے ذریعہ تمام مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ باور کرا دیا کہ آنے والے وقت میں بھی یہ وحدت اسلامی اہم مسائل و مشکلات کا حل کرنے میں بہت مدد و معاون ثابت ہو گی۔

امام خمینیؒ اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے موجودہ صدی میں امت اسلامیہ عالم کے درمیان وحدت واتحاد کی آواز بلند کی اور اسی اسلامی اتحاد کی بنیاد پر سرزمین ایران میں اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل کا کارنامہ انجام دیا۔

انسان کی الٰہی فطرت ہمیشہ توحید کی طرف مائل و متوجہ رہی ہے اور آدمی کی عقل و خرد بھی انسانی زندگی کے ہر دور میں نفسانی اور شیطانی رجحانات و خواہشات سے آلودہ ہونے سے پہلے توحید کی طرف ہی مائل و متوجہ رہی ہے اور تفرقہ و اختلاف کو انسانی مفاد و مصالح کے خلاف سمجھتی رہی ہے اور تفرقہ و اختلاف کو انسانی سماج کے زوال کا باعث قرار دیتی رہی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے لیکر خاتمؐ تک تمام انبیاء علیہم الصلوات والسلام نے بھی توحید کو اپنی مذہبی دعوت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے شرک و دوگانگی و تثلیث اور نفاق کی اعلانیہ تردید فرمائی ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو توحید پر اعتقاد و ایمان ہی اسلام و کفر کی آخری سرحد ہے۔

مذہب اسلام کے جملہ عرفانی، فلسفی، اخلاقی کلامی اور تربیتی مکاتب نے عالم وجود میں وحدت نگاہی اور اس کے اجزاء کو اپنے مرکزی عقیدہ کا جزو لاینفک قرار دیا ہے اور اہل تحقیق سے یہ بات ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ انسانی معاشروں میں حقیقی وحدت کا رجحان توحید پر اعتقاد و ایمان کا جلوہ ہے اور اس کے برعکس کثرت پسندی کو شرک و مادہ پرستی کی اہم خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں امت واحدہ کی تشکیل کو "سیر الی اللہ" کا حقیقی وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ انّ هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون۔" واضح رہے کہ تاریخ بشریت کے دوران حق و باطل کے درمیان جاری کشمکش اور اس کے مختلف رنگ و روپ کا توحید و شرک سے گہرا رابطہ رہا ہے چنانچہ اسی حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امام خمینیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"تفرقہ و اختلاف کا تعلق شیطان سے اور وحدت کلمہ و اتحاد کا تعلق رحمان سے ہے۔"

افسوس کی بات ہے کہ اسلامی دنیا کے زیادہ تر ملکوں پر مغرب کے تسلط کی وجہ سے وحی الٰہی پر مشتمل افکار و عقائد کی بنیاد پر مختلف النوع انسانی علوم کی تبلیغ و اشاعت کا امکان باقی نہ رہ گیا ورنہ سماجی و سیاسی مباحث کے میدان میں مذکورہ بالا افکار و عقائد کی روشنی میں بیشمار نئے ابواب قائم کئے جا سکتے تھے اور اسلامی معاشروں میں موجود سیاسی اور سماجی مسائل و مشکلات کا موثر حل تلاش کیا جا سکتا تھا۔

آج اسلامی ممالک میں موجود اکثر ماہرین سیاست و سماجیات اور سیاسی و تربیتی امور میں ہمہ تن سرگرم افراد ایسے اصولوں اور طریقوں کے ذریعہ

اپنے معاشرہ کے معاملات و مسائل کا حل تلاش کررہے ہیں جو موجودہ مغربی دنیا کے مادیت پرست مکاتب فکر کی دین ہیں اور جن کا ادیان الٰہی کی روح سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حکومتوں اور سماجی رہنماؤں کی کوششوں کے باوجود آج دنیا میں پرانے اور نئے فسادات اور جھگڑوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور ان داخلی' علاقائی اور عالمی جھگڑوں میں قربان ہونے والے لوگوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے اور ان اختلافات و فسادات کی وجہ سے غیر معمولی مادی اور معنوی نقصانات ہورہے ہیں اور اقوام عالم میں تباہی و بربادی پھیلتی جارہی ہے۔ تباہی و بربادی پر مشتمل ان تلخ حقیقتوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ مادی مکاتب فکر نے انسانی برادری کے درمیان وحدت واتحاد کی ایجاد کے لئے جو طریقے بتائے ہیں وہ موجودہ انسانی معاشرہ میں موجود تباہ کن تفرقہ واختلافات کو دور کرنے میں پوری طرح ناکام ہیں بلکہ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ان وسائل وامکانات کے استعمال کی وجہ سے معاشرہ میں موجود اختلافات اور کشیدگیوں میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔

آج موجودہ دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی تاریخ سے باخبر ہر اصلاح پسند دانشمند اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ قومیت پسندی' زبان ومحاورہ' رنگ ونسل' تاریخ اور مشترکہ مادی مفاد ومصالح سے وابستہ وسائل وامکانات کے ذریعہ دنیائے بشریت میں وحدت واتحاد قائم کرنے کی کوشش محض ایک سراب ہے اور ماضی وموجودہ دور میں رونما ہونے والے مصائب انگیز حوادث سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بنیادوں پر قائم ہونے والے اتحاد سے لوگوں نے جھوٹی امیدیں وابستہ کررکھی ہیں۔

اگر نفسانی ومادی مقاصد وخواہشات کے بجائے انسان کی توحید پسندانہ عقل وفطرت کو حکومت وبالادستی حاصل کرنے کا موقع مل جاتا اور اگر مادہ پرست طاقت کے متوالوں نے مختلف النوع سازشوں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ وحدت واتحاد کی آواز بلند کرنے والوں کا راستہ نہ روکا ہوتا تو آج انسانی زندگی کی داستان ہی کچھ اور ہوتی۔

انسانی تاریخ انسانی زندگی کے بلندترین نمونوں کو پیش کرنے میں توحید وخداپسندانہ اعتقاد کے معجزہ آمیز نتائج کا منظر متعدد بار دیکھ چکی ہے۔ کیا آپ کی نظر میں کوئی ایسی انسانی زندگی ہے جو تمام دفاعی قدروں سے مالامال ہو لیکن اس پر الٰہی ادیان اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ ہو؟ کیا اس حقیقت کی تردید کی جاسکتی ہے کہ موجودہ دنیا میں رائج کشمکش وکدورت' قتل وغارتگری اور ہزاروں ناقابل حل مشکلات کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوگیا جس وقت انسان نے اپنی راہ وروش کو فطری توحیدی روش اور صراط مستقیم کی راہ سے' جس کی نشاندہی پیغمبروں نے کی تھی' جدا کرلیا؟

کیا یہ ایک تلخ حقیقت نہیں ہے کہ موجودہ معاشروں میں مادی اور تکنیکی اور اخلاقی زوال وانسانی قدروں کی پامالی کے درمیان موجود منفی روابط کی وجہ سے انسانی عظمت وسعادت کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ جی ہاں! جب فطرت پر انسان کے غلبہ وتسلط اور انسان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کو مقصد حیات تسلیم کرلیا جائے' اس کے روحانی مقام ومرتبہ کو فراموش کردیا جائے اور کائنات کے دیگر اجزاء سے روحانیت کا کوئی سروکار باقی نہ رہ جائے اور تمام چیزوں کو یہاں تک کہ ضمیر ووجدان اور نفس وروح کو مشینی محاسبات سے شمار کیا جانے لگے تو پھر اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو آج عالمی انسانی معاشرہ میں دکھائی دے رہا ہے خود ساختہ انسانی مکاتب فکر نے دنیائے بشریت کی کس پریشانی کا معقول حل پیش کیا ہے اور دنیائے بشریت کی ایسی کونسی ضرورت ہے جو دنیا میں رائج مادی مکتب فکر کے ذریعہ پوری ہوگئی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وحدت اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب راہ وروش کا انتخاب ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا تجزیہ کرتے وقت انسانی معاشرہ کے موجودہ مسائل کو نظر انداز کردیا جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایسی عالمی تنظیمیں جن کی تشکیل وتخلیق کا بنیادی مقصد دنیا کی مختلف قوموں اور حکومتوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا اور ان کے درمیان موجود تناؤ اور کشیدگی کو دور کرنا رہا ہے' دنیا کے اکثر معاملات میں پوری طرح ناکامیاب رہی ہیں بلکہ یہ کہنا مبالغہ اور خلاف حقیقت نہ ہوگا کہ دنیا کی حکومتوں نے ان نام نہاد اتحادی تنظیموں کو تفرقہ واختلاف پھیلانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ گزشتہ دہائی کے دوران عالمی سطح پر دنیا کی مختلف قوموں اور

حکومتوں کے درمیان باہمی اتحاد وتعاون پر مشتمل سیکڑوں معاہدے کئے گئے اور وسیع پروپگنڈہ کی وجہ سے دنیا والوں نے ان معاہدوں سے اپنی توقعات وابستہ کرلیں لیکن کوئی مثبت اور کارآمد نتیجہ برآمد ہونے سے پہلے ہی ان معاہدوں کا کام تمام ہوگیا اور معاہدے اور سمجھوتے عالمی تناؤ اور کشیدگی کو دور کرنے میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کرسکے۔

کافی عرصہ سے اسلامی معاشروں کے درمیان اتحاد بین المسلمین اور اسلامی ملکوں کے درمیان وحدت وتعاون کا چرچا جاری ہے اور دنیا کے اکثر اسلامی علاقوں میں سیاسی افراد اور جماعتوں نے اسی نعرۂ وحدت کے سایہ اقتدار کی مسند پر اپنا قبضہ جمالیا ہے اور اس اہم موضوع پر سیکڑوں کتابیں اور مقالے شائع ہوتے رہے ہیں اور علماء ومقررین اس موضوع کی اہمیت وافادیت پر سنجیدہ تقریریں کرتے رہے ہیں لیکن عملی طور پر اس میدان میں کوئی مثبت اور فیصلہ کن قدم نہیں اٹھایا گیا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہمیں ان ناکامیوں کی وجہ تلاش کرنی چاہئے اور اگر اس کی طرف توجہ نہ کی گئی تو آئندہ بھی اس سلسلے میں کی جانے والی تمام کوششوں کا کوئی مفید اور مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

کیا اس حقیقت کی تردید کی جاسکتی ہے کہ موجودہ دنیا میں رائج کشمکش وکدورت' قتل وغارتگری اور ہزاروں ناقابل حل مشکلات کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوگیا جس وقت انسان نے اپنی راہ وروش کو فطری توحیدی روش اور صراط مستقیم کی راہ سے' جس کی نشاندہی پیغمبروں نے کی تھی' جدا کرلیا؟

حقیقی اور اصلی پریشانی خود انسان اور اس کے عقائد سے وابستہ ہے۔ جب تک توحید فکر اور اخلاقی اصول واقتدار' جو وحدت کی عمومی مقبولیت کا لازمہ ہیں' انسانی معاشروں پر حاکم نہ ہوں گے تب تک اس سلسلے میں کی جانے والی ہر کوشش ناکام رہے گی۔ وحدت اور اس کی حفاظت محض سماجی سفارش' سیاسی ضرورت اور مشترکہ مادی مفاد کی حفاظت کے لئے عملی اقدام کا نام نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک مستحکم واستوار اتحاد کی تشکیل کی جاسکے بلکہ میری نظر میں اس قسم کے اداروں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وحدت اور اس کے لوازم کے درمیان ناقابل تفریق رابطہ قائم ہو اور فکری واصولی واعتقادی واخلاقی نظاموں کی آفاقیت کے ساتھ لوازم وحدت کی پیروی کی جائے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ انسان توحیدی فکر کا حامل ہو' خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہو' دنیا کی تمام چیزوں میں ارادہ الٰہی کو جاری وساری مانتا ہو لیکن عمل اور مخلوق خدا اور دوسروں کی بہبودی وبھلائی کے سلسلے میں عدم توجہی سے کام لے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ موحد اور توحید پرست ہوتے ہوئے "اصحاب تفرقہ" کی فوج میں شامل رہا جاسکے؟! کیا اس بات کو بھی فراموش کیا جاسکتا ہے کہ صدر اسلام میں جب شرک وبت پرستی کی تاریکی میں جاں بلب لوگوں کے کانوں میں توحید کی آواز پہونچتی ہے تو وہ لوگ جاہلانہ تعصب جھوٹے فخر وافتخار' قوم وقبیلہ پرستی اور نام ونسب کی بالادستی جیسے اخلاقی مفاسد سے علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں اور تفرقہ واختلاف پیدا کرنے والے عناصر وافراد سے قطع تعلق کرلیتے ہیں اور خدائے واحد پر اعتقاد وبندگی' معبود حقیقی کے نور سے ان کے قلب اس قدر منور ہوجاتے ہیں کہ تفرقہ پرور افراد سے ان کی سببی اور نسبی قرابت داری کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے اور نور توحید خداوندی سے منور قلوب والے یہ مومن افراد ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں جس کو 'بہترین امت" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے درمیان ایسی وحدت وہمدلی پیدا ہوجاتی ہے کہ سیاہ فام وبرہنہ پا غلاموں کو قریش کی نمایاں اور بااثر شخصیتوں کے مقابلے میں برابر کی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے اور بعض امور میں ان کی اہمیت میں قدرے اضافہ بھی ہوجاتا ہے اور یہ لوگ ایک ایسے تمدن کی بنیاد رکھتے ہیں کہ روم اور ایران کی طاقتور حکومتوں میں بھی اتنا دم نہیں رہ جاتا کہ اس کے مقابلے میں ٹھہر سکیں؟ کچھ ہی

دنوں میں دنیا کی مختلف قومیں جغرافیائی حدود اور اپنے قومی و نسلی خصائص کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حقیقت کا استقبال کرنے کے لئے پیش قدم ہو جاتی ہیں۔

درحقیقت یہ انتہائی غور طلب بات ہے کہ قرآن وسنت میں "امت" کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے پھر بھی آج امت کے حقیقی مفہوم کی طرف سے بے توجہی کا سبب کیا ہے؟ باستانی سوابق' جغرافیائی حدود اور دیگر سطحی چیزوں کو دوبارہ بروئے کار لاتے ہوئے الگ الگ انداز میں مسلمانوں کے قومی مفاد کی بات کی جارہی ہے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے مفاد ومصالح کو زیادہ توجہ واہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جارہا ہے؟

اگر ہم لوگوں کو واقعی اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیابی کا واحد ذریعہ تمام مسلمان قوموں' فرقوں اور جماعتوں کے درمیان وحدت واتحاد ہے تو پھر ہم لوگوں کو دوسری چیزوں سے زیادہ ان مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے جن کی وجہ سے ہم "امت" کے حقیقی مفہوم سے الگ ہو کر مختلف فرقوں' جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ جی ہاں! ہم لوگوں کو ایک بار پھر وحدت کے استوار ترین محور و مرکز اور ہدایت امت کے منشور کی حیثیت سے قرآن وسنت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا چاہئے۔

بنیادی پریشانی یہ ہے کہ نہ صرف عام مسلمان بلکہ عالم اسلام کے اکثر نامور افراد اور دانشور حضرات نے بھی ان عظیم و گرانقدر مذہبی قدروں کی طرف سے بے توجہی اختیار کر رکھی ہے جو ایک مستحکم مکتب فکر کی حیثیت سے مسلمانوں کو اتحاد اور ہم بستگی کی دولت سے مالامال کر سکتی ہیں۔ اقتصادی' سیاسی اور سماجی مسائل میں الٰہی مکتب فکر سے تضاد رکھنے والے دیگر مکاتب فکر کے اصولوں کی پیروی کی وجہ سے ایسے دشوار حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ وحدت واتحاد جیسی اہم ضرورت کو سمجھنا اور اس کو عملی جامہ پہنانا محال اور ناممکن معلوم ہونے لگا ہے اور اس سلسلے میں کی جانے والی کوشش بھی ناکام ہوگئی ہے۔ اگر پیغمبر اکرمؐ اور قرآن کریم کی تعلیمات عالیہ کو اسلامی معاشروں پر تسلط وغلبہ حاصل ہوتا تو عظیم اسلامی اتحاد کی تشکیل میں ذرہ برابر دشواری نہ ہوتی۔ قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کیا ہے نفس واحدہ یعنی ایک انسان کو نئی زندگی عطا کرنے یا قتل کرنے کو تمام لوگوں کے احیاء یا قتل کے برابر کہا گیا ہے اور یہ برابری تمثیلی نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت پر مبنی ہے جو نظام کائنات میں ہر جگہ جاری اور ساری ہے۔

قرآن کریم اور انبیاء علیہم اسلام جس معاشرہ کی تشکیل کے خواہاں رہے ہیں وہ ایسا واحد اور حقیقی معاشرہ ہے جس کا مفہوم ومطلب قوم وملت اور حکومت ودیگر رائج اصلاحات کی سرحدوں سے بہت آگے ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآنی تعلیمات اور انبیاء کے ارشادات کی روشنی میں تشکیل شدہ وحدت واتحاد کو قوم وملت' رنگ ونسل اور فرقہ وجماعت کے دائرہ میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بنیادی اعتقادی اصولوں کی حمایت وپشت پناہی کے بغیر ان مسائل کا سمجھنا دشوار اور ناممکن ہے اور جب تک اسلامی معاشروں میں ان اصولوں کو استحکام نہیں حاصل ہو جاتا اس کے نتائج کا حصول بعید از امکان ہوگا۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ثقافت کو دنیا کی تمام دوسری ثقافتوں کی آمیزش سے محفوظ رکھتے ہوئے اپنے درمیان وحدت واتحاد اسلامی کی بھرپور حفاظت وپیروی کی جائے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ موحد اور توحید پرست ہوتے ہوئے "اصحاب تفرقہ" کی فوج میں شامل رہا جاسکے؟!

جیسا کہ مقالہ کے آغاز میں امام خمینیؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تفرقہ واختلاف کا تعلق شیطان سے اور وحدت واتحاد کا تعلق رحمٰن سے ہے' تاریخ بشریت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ حقیقی وحدت کی آواز کو وہ توحید پسند افراد وعوام فوری طور پر قبول کرلیتے ہیں جو میدان عمل میں دوسروں سے کہیں زیادہ توحیدی اعتقاد کا تجربہ کر چکے ہیں اور اس بات کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ وحدت واتحاد کی حفاظت کسی ایسی سیاسی تحریک کا نام نہیں ہے جس کا مقصد طاقت واقتدار کا استحکام ہو۔

وحدت واتحاد کی حفاظت کی کوشش اور تفرقہ واختلافات سے پرہیز ایک ایسا واجب عینی عمل ہے جس کی جڑیں خالق کائنات کی وحدانیت کے اعتقادات سے جڑی ہوئی ہیں۔ اور تفرقہ واختلاف پیدا کرنے والے لوگ در حقیقت شیطان کے اصحاب ہیں اور وحدت کی آواز بلند کرنے والوں کا تعلق رحمان سے ہے۔ جب کہ معاشرہ میں یہ اعتقاد رائج ہوجائے تو پھر وہاں وحدت حقیقی کی طرف سے بے توجہی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور امت واحدہ کی تحریک کے سامنے تفرقہ ونفاق کا وجود ہی نہیں رہ جاتا اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو انقلاب اسلامی ایران نے موجودہ زمانہ میں عملی طور پر پوری طرح ثابت کردیا۔

تاریخ اس حقیقت کو فراموش نہیں کرسکتی ہے ایک خدا پسند شخص نے تمام مادی وسائل وامکانات اور ظاہری اسلحوں سے خالی ہاتھ ہوتے ہوئے بھی وحدت واتحاد کی آواز بلند کی اور مومن افراد نے اس آواز پر لبیک کہا۔ ترقی یافتہ دنیا نے اس آواز کی بھرپور مخالفت کی۔ دنیا کی بڑی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے مالکان اس مرد مجاہد کے دشمن کی حمایت کے لئے عملاً باہم متحد ہوگئے لیکن بڑی اور اسلام دشمن طاقتوں کے گٹھ جوڑ کے مقابلے میں امت اسلامیہ کے وحدت کلمہ کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ جب اسلامی انقلاب نے اپنے طاقتور دشمن پر غلبہ حاصل کرلیا اور شاہی نظام حکومت کا شیرازہ منتشر کردیا تو بہت سے گروہ اس نو تشکیل شدہ اسلامی نظام حکومت کی عداوت پر کمربستہ ہوگئے۔ انہیں دنیا بڑی طاقتوں کی بھرپور حمایت حاصل ہوگئی اور ان جماعتوں نے اسلامی جمہوریہ ایران کی تباہی وبربادی کے لئے جو شرمناک حرکتیں کیں ان کے اجمالی تذکرہ کے لئے ایک مستقل کتاب کی تدوین کی ضرورت ہوگی۔

اسلامی نظام حکومت کی مخالفت کے پرچم بلند ہوگئے۔ ویسے تو عالمی کمیونسٹی طاقت اور سرمایہ دار مغربی طاقت کے درمیان عداوت تھی لیکن اسلامی نظام حکومت کی نابودی کے لئے دنیا کی یہ دونوں بڑی طاقتیں باہم متحد ہوگئیں اور پوری دنیا میں اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوری نظام کے خلاف بے بنیاد پروپگنڈوں کا بازار گرم ہوگیا۔ ان طاقتوں نے منصوبہ بند طریقے سے ایران کے خلاف سیاسی تنہائی، اقتصادی ناکہ بندی اور خوفناک وتباہ کن جنگی کارروائی کا لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا لیکن یہ تمام طاقتیں اس ملت کے اسلامی اتحاد کے سامنے ٹھہر نہ سکیں جس کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ امت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے اسے بہر حال ان اسلام دشمن طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے۔ ملت ایران کے اس بھرپور اور کامیاب مقابلے کا راز رہبر انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کے اس جملے میں پوشیدہ ہے جس کی طرف انہوں نے اپنی تقریر وتحریر میں بار بار اشارہ کیا ہے یعنی تفرقہ واختلاف سے پرہیز اور وحدت کلمہ واسلامی اتحاد کا تحفظ۔ ان کی یہ سفارش اس وجہ سے زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہوئی کہ دوسروں سے پہلے وہ بذات خود اس بات پر مکمل اعتماد واعتقاد وایمان رکھتے تھے اور ساری زندگی وہ اس کی تعمیل میں سرگرم عمل رہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات عالیہ اور عارف اکمل حضرت ختمی مرتبت محمد بن عبداللہؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے ارشادات پر مشتمل اپنے عرفانی مکتب میں امام خمینیؒ عالم تخلیق میں حقیقی وحدت کے مسئلہ کو حل کرچکے تھے اور اپنے فلسفیانہ مشرب میں نہ صرف وحدت الوجود بلکہ خصوصی محفلوں میں مخلوقات خداوندی کے درمیان موجود حقیقی وحدت کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے عرفانی اشعار میں بھی مجموعی اعتبار سے نظام کائنات میں موجود وحدت کا تذکرہ باربار کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں وہ منصور کی صدائے انا الحق کو بھی انیت وھویت کی علامت قرار دیتے تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

فریاد انا الحق رہ منصور بود
یارب مددی کہ فکر راہی بکنیم

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

بر فراز دار فریاد انا الحق می زنی
مدعی حق طلب انیت وانا چہ شد

امام خمینیؒ باطل طاقتوں کے خلاف کی جانے والی اپنی جدوجہد میں بھی لوگوں کو وحدت واتحاد کی دعوت دیا کرتے تھے اور پچاس سال قبل انہوں نے اپنے تاریخی اور سب سے پہلے اہم بیان کی ابتدا قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے کی تھی "قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ۔" اپنے اس اہم اور تاریخی بیان میں انہوں نے امت اسلامیہ کی وحدت کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ الٰہی انقلاب کی کامیابی کے لئے امت اسلامیہ کے درمیان وحدت واتحاد کا عملی وجود لازمی ہے۔

قافلۂ جہاد اور قافلۂ پیام

محرم وصفر کا مہینہ اہلبیت رسالتؑ پر ظلم ومصائب کا مہینہ ہے۔ ان ایام میں دنیا کے ہر گوشہ میں تشنگان لب فرات اور اسیران کربلا کی یاد میں مجلس عزا منعقد کی جاتی ہے اور حسین مظلوم پر نوحہ وماتم اور گریہ وزاری کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

جی ہاں! ۱۰ محرم الحرام کو حسین مظلومؑ کی شہادت کے بعد یزید کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا تھا کیونکہ اس کو یہ اندازہ تھا کہ وحی الٰہی اور دین محمدی کا تنہا محافظ حسینؑ اب اس دنیا میں نہیں رہ گیا اور اب اسے دنیا والوں کو یہ باور کرانے میں کوئی دشواری نہ ہو گی کہ اسلام محض بنی ہاشم کا ڈھکوسلہ تھا لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اسلام خالق کائنات کا پسندیدہ ترین مذہب ہے اور اس کا تحفظ ایک عظیم الٰہی مقصد ہے اسی وجہ سے اس عظیم مقصد کی راہ میں نواسۂ رسولؐ نے کربلا کے میدان میں عظیم قربانیوں کا اہتمام کیا تھا اور اپنی شہادت کے بعد بھی اپنی عظیم تحریک کی حفاظت کا بندوبست مدینہ ہی سے کر کے چلے تھے۔ جی ہاں! کاروان جہاد میں زینب (س) اور دیگر خواتین کی شمولیت کا راز یہی تھا لہٰذا ثانی زہرا حضرت زینب (س) آگے بڑھتی ہیں۔ حسینؑ مظلومؑ کی شہادت کے بعد انہیں کوفہ وشام کے بازاروں اور ابن زیاد ویزید کے درباروں کا معرکہ سر کرنا ہے۔ کاروان پیام کی قیادت کرتے ہوئے انھیں حسینی پیغام کو عام کرنا ہے چنانچہ کربلا کی اس رسن بستہ شیر دل خاتون نے ابن زیاد اور یزید پلید کے دربار میں علوی لہجے میں جو خطبے ارشاد فرمائے ہیں اس کی گونج آج بھی سنائی دے رہی ہے چودہ سو سال کے بعد بھی آج دنیا کے ہر گوشے اور گلی کوچوں سے بلند ہونے والی (یا حسینؑ) کی آواز اور گلدستۂ اذان سے (اشہد ان محمد رسول اللہ) کی آواز اس بات کا ثبوت ہے کہ کاروان جہاد کے قائد حسینؑ مظلوم کی طرح کاروان پیام کی قافلہ سالار زینب (س) بھی اپنے مشن میں کامیاب رہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ان دونوں قافلوں کی سرگرمیوں کا اجمالی تجزیہ حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

کربلا کے ریگستان میں عصر کا ہنگام گزر چکا ہے۔

حسینؑ اپنے معبود کی بارگاہ میں آخری سجدہ ادا کر چکے ہیں۔ فضا میں ''حسینؑ قتل ہو گئے'' کی آواز گونج رہی ہے، سیاہ آندھیاں چل رہی ہیں' آسمان سے خون کی بارش ہو چکی ہے، آفتاب کو گہن لگ چکا ہے، سلگتے ہوئے حسینی خیام سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ خونیں رنگ میں ڈوبا ہوا آفتاب اپنی آخری کرنوں کو جمع کر رہا ہے اور شام غریباں آنے والی ہے' آسمان پر غیر معمولی رنج و غم طاری ہے۔ غم و تنہائی کے ماحول نے دشت کربلا کو اور زیادہ غمزدہ و ماتم دار بنا دیا ہے اور ننھے ننھے بچوں کی درد بھری آواز نے آسمان والوں کو رنج و غم میں غرق کر دیا ہے اور ان پر غیر معمولی سوگ طاری ہے لیکن دوسری طرف اہلبیت رسالت کے دشمنوں کی جماعت میں جشن شادی و مسرت کی دھوم ہے اور وہ اس بات کی خوشی منا رہے ہیں کہ وہ نواسۂ رسول کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جی ہاں! جب انسانیت زوال اور پستی کی انتہا پر پہونچ جائے تو اس سے اس حیوانیت کے علاوہ اور کس چیز کی امید کی جا سکتی ہے؟

روز عاشورہ قافلہ جہاد کے جانباز مجاہدوں نے اپنے اٹل ارادہ سے قلب سپاہ کفر کو شگافتہ کر دیا اور نفاق پوری طرح لرزہ بر اندام ہو گیا۔ اس کے بعد ان جانباز مجاہدوں نے سربلندی کے ساتھ جام شہادت نوش کر لیا اور اس طرح قافلۂ جہاد کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ لوگ انسانی عظمت و سربلندی کا اہم نمونہ تھے۔ ان کی بات آزادی و عدالت کی بات تھی، ان کا مقصد وصال حق تھا۔ حق کی راہ پر ثابت قدم رہنے کے لئے انھیں خون کے درمیان سے گزرنا پڑا اور ان لوگوں نے اسلام کے تناور درخت کو اپنے خون سے اتنا سیراب کر دیا کہ قیامت تک کے لئے یہ پوری طرح استوار و شاداب ہو جائے۔

جی ہاں! سرزمین کربلا حسینؑ اور ان کے اعزاء و اقرباء اور اصحاب و انصار کی قتل گاہ بنی ہوئی تھی۔ عصر کے وقت کربلا کی جلتی ہوئی ریگ پر شہیدوں کے خون کے تھالے جمے ہوئے تھے اور قافلۂ جہاد کے قافلہ سالار کا جسم جلی ہوئی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ دشت کربلا کے ایک طرف کڑیل جوان علی اکبرؑ کا لاشہ تھا اور دوسری طرف حسینؑ کے بچپن کے ساتھی اور بوڑھے مجاہد کربلا حبیب ابن مظاہر کا لاشہ تھا اور ایک طرف علی اصغرؑ کی ننھی سی لاش پڑی تھی۔ فاطمہؑ کا چمن تاراج ہو گیا تھا اور قافلہ جہاد کے مجاہدوں کے سر ان کے جسم سے الگ کئے جا چکے تھے۔

چند روز قبل اس قافلۂ جہاد نے عظیم ارمانات اور اسلام کی نجات جیسے اعلیٰ مقصد کے ساتھ مدینہ سے کوچ کیا تھا کیونکہ کافی دنوں سے غلبۂ کفر نے امت اسلامیہ کی قیادت کو اپنے چنگل میں دبوچ رکھا تھا اور اب حکومت نے اپنے چہرے سے مکر و فریب کی نقاب ہٹا دی تھی اور نہایت بے شرمی کے ساتھ اسلام کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر کمربستہ تھی۔

دارالخلافت ان طاغوتی اور اسلام دشمن عناصر کی جولانگاہ بن چکا تھا جو حق و عدالت کو پوری طرح پامال کر چکے تھے اور وہ دارالخلافت جس کے ذمہ ملک و ملت کی قیادت و رہنمائی تھی' مٹھی بھر طاغوتی افراد و عناصر کی عیش گاہ بن چکا تھا اور وہاں سے رقص و سرود کی ایسی آوازیں ابھر رہی تھیں جس کی وجہ سے معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام اب صفحۂ ہستی سے محو ہونے والا ہے۔

اور فرزند رسولؐ و جگر گوشۂ بتولؑ' قافلہ سالار قافلۂ جہاد اور خانوادۂ وحی کی گرانقدر یادگار حسینؑ بن علیؑ کی رسالت و ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اپنا سب کچھ لٹا کر اسلام کی حفاظت کریں اور اپنے مقدس خون سے اس درخت اسلام کی ایسی آبیاری کر دیں کہ تا قیام قیامت اس پر کسی یزیدی باد خزاں کا کوئی اثر نہ ہونے پائے۔

☆ ☆ ☆

''... اے غلام زادے! کیا عدل و انصاف کا یہی تقاضہ ہے کہ تو اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں رکھے اور رسول خدا کی بیٹیوں کو اسیروں کی طرح در در کی ٹھوکریں کھلاتا رہے' انہیں بے پردہ کر کے تماش بینوں کی نگاہوں کا مرکز بنا دے اور ان پر اتنے مظالم ڈھائے کہ ان کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکے...

اب اس قافلہ میں کچھ باقی نہیں رہ گیا۔ مجاہدین اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو چکے تھے اور ان کی رسالت و ذمہ داری بھی پوری ہو چکی تھی اور سر دست وہ لوگ سرزمین کربلا میں اپنے ہی خون کے بستر پر محو خواب تھے۔

اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ ان مجاہدوں کے اہلبیت ہیں۔ خستہ و غمگین اور غریب الوطن خواتین اور خوفزدہ بچے ایک گوشہ میں نوحہ و ماتم میں لگے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے درمیان ایک خاتون صبر کا پیکر بنی ہوئی ہے اور تمام پسماندگان کی دلجوئی میں سرگرم نظر آرہی ہے۔ یہ عظیم المرتبت خاتون کبھی بچوں کو گود میں لے کر انہیں تسلی دے رہی ہے اور کبھی دوسری خواتین کو دلاسہ دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ خاتون کون ہے؟ واقعاً یہ کون ہے جس نے خاک و خون میں ڈوبے ہوئے حسینی پرچم کو دوبارہ اپنے کندھوں پر اٹھالیا ہے اور حسینی مقصد کو پایۂ کمال تک پہونچانے کا مصمم ارادہ کر چکی ہے۔

جی ہاں! یہ خاتون خانوادۂ عصمت کی شیر دل عورت، علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی اور حسینؑ کی خواہر عزیز زینبؑ تھیں۔ وہ زینبؑ جن کے منہ میں علیؑ کی زبان تھی یعنی جو علوی انداز میں خطابت کرتی تھیں اور جس کے کردار و عمل سے حسینی شجاعت کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

دھیرے دھیرے ایک دوسرے قافلے کی تشکیل عمل میں آجاتی ہے۔ در حقیقت "قافلۂ جہاد" کا بالکل خاتمہ تو نہیں ہوا البتہ اس کی شکل تبدیل ہو گئی یعنی قافلۂ جہاد "قافلۂ پیام" میں تبدیل ہو گیا اور اب اس کی قافلہ سالار حضرت زینبؑ ہیں اور ان کی رسالت و ذمہ داری کربلا کے پیغام کو دنیا والوں تک پہونچانا ہے۔ واضح رہے کہ زینبؑ اس عظیم و بلند مرتبہ خاتون کا نام ہے جس نے امام حسینؑ کے بعد امامت کی حفاظت و پاسداری کا فریضہ انجام دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

گیارھویں محرم کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد "قافلۂ پیام" کربلا سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ یزیدی فوج کے جلاد صفت ظالمین نے کربلا کے اسیروں اور یتیموں کے اس قافلے کو ایسے اذیت ناک انداز سے کوفے کی طرف روانہ کیا کہ تاریخ بشریت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس قافلہ کو عمداً قتل گاہ کی طرف سے لے جایا گیا اور قافلہ میں شامل تمام یتیموں اور اسیروں نے کربلا کی جلتی ہوئی ریتی پر اپنے عزیزوں کے زخمی اور سر بریدہ جسم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ زینبؑ نے حسینؑ مظلوم کے لاشۂ بے سر کو دیکھنے کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے فریاد کرنا شروع کیا۔

"یامحمداہ' صلی علیك ملائكة السماء! هذالحسين بالعراء' مرمل بالدماء' مقطع الا عضاء' یامحمداہ' هذه بناتك سبایا وذریتك مقتله تسفی علیها الصبا۔"

یعنی "اے محمدؐ! اے وہ ذات گرامی جس پر آسمانی فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں، یہ تمہارا حسینؑ ہے جو خاک و خون میں غلطاں ہے اور اس کے جسم کے ٹکڑے اس ریگستان میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ اے محمدؐ! یہ آپ کی بیٹیاں اور نواسیاں ہیں جنہیں اسیر کر لیا گیا ہے۔ اور اس میدان کربلا میں جن لوگوں کو قتل کیا گیا ہے یہ سب آپ کی ذریت ہیں اور ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہیں۔

دھیرے دھیرے ایک دوسرے قافلے کی تشکیل عمل میں آجاتی ہے۔
در حقیقت "قافلۂ جہاد"
کا بالکل خاتمہ تو نہیں ہوا البتہ اس کی شکل تبدیل ہو گئی
یعنی قافلۂ جہاد "قافلۂ پیام" میں تبدیل ہو گیا
اور اب اس کی قافلہ سالار
حضرت زینبؑ ہیں۔

یعنی "اے محمدؐ! اے وہ ذات گرامی جس پر آسمانی فرشتے درود وسلام بھیجتے ہیں' یہ تمہارا حسینؑ ہے جو خاک وخون میں غلطاں ہے اور اس کے جسم کے ٹکڑے اس ریگستان میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ اے محمدؐ! یہ آپ کی بیٹیاں اور نواسیاں ہیں جنہیں اسیر کرلیا گیا ہے۔ اور اس میدان کربلا میں جن لوگوں کو قتل کیا گیا ہے یہ سب آپ کی ذریت ہیں اور ان کی لاشیں بے گور وکفن پڑی ہوئی ہیں اور باد صبا ان کے جسم پر خاک افشانی کرے گی۔"

اسیروں اور یتیموں کا یہ قافلہ بے وفاؤں کے شہر میں داخل ہوا۔ اہل کوفہ قافلہ والوں کو دیکھ کر ندامت اور افسوس کے ساتھ گریہ وزاری کررہے تھے۔ زینبؑ کو ان لوگوں کی یہ حرکت اچھی نہ لگی کہ حق کے خلاف شمشیر زنی کرنے والے اب خاندان عصمت وطہارت کی اسیر خواتین کے ساتھ محبت وہمدردی کا مظاہرہ کریں۔ ان لوگوں نے ذلت وندامت کے ساتھ اپنے سروں کو جھکا رکھا تھا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حسینؑ مظلوم کو مہمان بلایا تھا اور بعد میں انہیں انتہائی بے رحمی سے قتل کرڈالا۔ قافلہ پیام کی سالار زینبؑ نے ان پر ندامت ورسوائی کی وجہ سے طاری خاموشی کو توڑتے ہوئے خطاب فرمایا:

"ہاں! خدا کی قسم تم لوگ جس قدر گریہ وزاری کرو وہ کم ہے کیونکہ تم غیر معمولی ذلت ورسوائی اور ننگ وندامت سے ہم آغوش ہوچکے ہو۔ تم لوگ ندامت کے اس دھبہ کو اپنے دامن سے کبھی صاف نہیں کرسکتے۔ آخر تم لوگ ننگ وندامت کے اس دھبہ کو اپنے دامن سے کیسے پاک کرسکتے ہو کہ تم نے نواسۂ رسولؐ اور سرچشمہ رسالت کو قتل کرڈالا جبکہ وہ

دار الخلافت جس کے ذمہ ملک وملت کی قیادت ورہنمائی تھی' مٹھی بھر طاغوتی افراد وعناصر کی عیش گاہ بن چکا تھا اور وہاں سے رقص وسرود کی ایسی آوازیں اُبھر رہی تھیں جس کی وجہ سے معلوم ہو رہا تھا کہ اسلام اب صفحۂ ہستی سے محو ہونے والا ہے۔

تمہارے اختلافات کو دور کرنے والے' شاہراہ زندگی میں تمہاری ہدایت ورہنمائی کرنے والے اور سردار جوانان جنت تھے۔ تم لوگوں نے انتہائی شرمناک اور ذلت آمیز حرکت انجام دی ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

"کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ تم نے کس جگر کو شگافتہ اور پارہ پارہ کیا ہے' کس عظیم شخصیت کا خون کیا ہے اور کن پردہ نشین خواتین کو بے پردہ کیا ہے؟! تم لوگوں نے انتہائی حیرت انگیز اور ہولناک کام انجام دیا ہے اور تمہاری اس ہولناک حرکت کی وجہ سے ممکن ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے' زمین کا کلیجہ پھٹ جائے اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے۔"

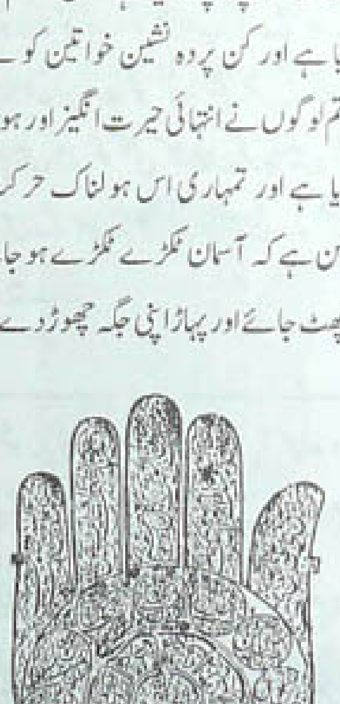

بہر حال اسیران کربلا کا یہ قافلہ کوفے کے بڑے میدان کی طرف سے گزرا اور زینبؑ کو اپنا ماضی یاد آگیا کہ ان کے بچے اسی میدان میں کھیلا کرتے تھے اور اہل کوفہ کی نگاہیں ان کے بھائیوں پر جمی رہتی تھیں۔

دار الخلافت بالکل سامنے تھا۔ زینبؑ اس کے اندر داخل ہوئیں اور انہوں نے دیکھا کہ جس جگہ پر ان کے والد حضرت علیؑ بیٹھا کرتے تھے آج اس جگہ پر "عبید اللہ ابن زیاد" بیٹھا ہوا ہے جس کے ہاتھ خون حسینؑ سے رنگین ہیں۔

زینبؑ نے ان ظالموں کی کوئی پروا نہ کی اور انتہائی رعب وجلال کے ساتھ ایک گوشے میں کھڑی ہوگئیں۔ ابن زیاد نے حیرت آمیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا: "تو کون ہے؟" زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے تین مرتبہ یہی سوال کیا لیکن زینبؑ نے اس کے اس سوال کو انتہائی حقارت ولاپرواہی سے ٹال دیا۔ آخر کار ایک کنیز نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"یہ فاطمہؑ کی بیٹی زینبؑ ہیں"

ابن زیاد نے غضبناک لہجے میں کہا: "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو رسوا کیا' تمہارے مردوں کو قتل کیا' تمہیں کنیز واسیر کیا اور تمہاری وحی کو جھوٹا ثابت کردیا۔"

زینبؑ نے حقارت بھری نگاہوں سے ابن زیاد کو دیکھا اور اس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: "خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر واحسان کہ اس نے ہم لوگوں کو پیغمبر اکرمؐ سے وابستہ ومنسوب کیا' ہم لوگوں کو ہر قسم کی برائیوں اور آلودگیوں سے پاک وپاکیزہ رکھا۔ گنہگار شخص رسوا ہوتا ہے اور بدکار شخص جھوٹ

بولتا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ایسے لوگ ہم میں سے نہیں ہیں۔"

ابن زیاد نے طعنہ زنی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ خداوند عالم نے تمہارے گھر والوں کے ساتھ جو کیا اسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔

زینبؑ نے اس کی طعنہ زنی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑی سربلندی کے ساتھ کہا: "شہادت ان لوگوں کا مقدر تھی لہٰذا وہ لوگ انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ اپنی قتل گاہ کی طرف بڑھے اور شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔ خداوند عالم بہت جلد تجھ کو اور ان لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گا اور پھر تجھے بارگاہ عالیہ خداوندی میں اپنی کرتوتوں کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

ابن زیاد کو اپنے ہر سوال کے جواب میں علیؑ کی بیٹی کی زبان سے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور اس میں اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ قافلۂ پیام کا مقابلہ کر سکے لہٰذا اس نے اسیران کربلا میں سے ایک ایک کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اچانک اس کی نظر ایک جوان مرد پر پڑی۔ اس نے پوچھا:

"تیرا نام کیا ہے؟"

"میں علی بن الحسینؑ ہوں" اس نوجوان نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"خداوند عالم نے علی بن الحسین کو کیوں قتل نہیں کیا؟" ابن زیاد نے حیرت سے پوچھا۔

حضرتؑ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: "میرے ایک بھائی کا نام بھی علیؑ تھا جس کو تیرے لوگوں نے شہید کر ڈالا۔" اس کے بعد آپ نے زور دیتے ہوئے فرمایا: "موت کے وقت خداوند عالم جانوں کو لے

لیتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں مرتا ہے۔"

یہ سنتے ہی اس ظالم نے بڑی زوردار آواز میں کہا: "تیرا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہے اور تیری موت کا وقت قریب آگیا ہے اور مجھے تیری حالت پر افسوس ہے۔" اس کے بعد اس نے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "دیکھو یہ جوان ہر بات کو کتنی اچھی طرح سمجھتا ہے۔ خدا کی قسم میں اس کو بھی کشتگان کربلا میں شمار کرتا ہوں۔" اس کے بعد وہ علیؑ بن الحسینؑ کے قتل کا حکم جاری کر دیتا ہے۔

روز عاشورہ قافلہ جہاد کے جانباز مجاہدوں نے اپنے اٹل ارادہ سے قلبِ سپاہ کفر کو شگافتہ کر دیا اور نفاق پوری طرح لرزہ براندام ہو گیا۔ اس کے بعد ان جانباز مجاہدوں نے سربلندی کے ساتھ جامِ شہادت نوش کر لیا اور اس طرح قافلۂ جہاد کا خاتمہ ہو گیا۔

یہی وہ وقت تھا جبکہ علیؑ کی شیر دل بیٹی زینبؑ آگے بڑھی اور اپنے بھتیجے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے غضبناک آواز میں کہا: "اے ابن زیاد! ہوش میں آ اور اب ہم لوگوں پر مزید ظلم سے دستبردار ہو جا۔ کیا ہمارے اتنے شہیدوں کا خون پینے کے بعد بھی تو سیر نہیں ہوا؟ کیا تو نے ہمارے خاندان کے مردوں میں سے کسی کو باقی و زندہ چھوڑا ہے؟"

حضرت زینبؑ کی غضبناک آواز نے دشمنوں پر غیر معمولی خوف طاری کر دیا اور ان لوگوں نے علیؑ بن الحسینؑ کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا اور اس طرح کربلا کی شیر دل خاتون حضرت زینبؑ نے امامت کی حفاظت و پاسداری کا فریضہ انجام دیا۔

☆ ☆ ☆

اس کے بعد یہ قافلۂ پیام دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ انتہائی المناک اور جانکاہ سفر تھا۔ شہداء کے سر نیزوں پر بلند تھے اور پیغمبروں کی بیٹیاں بے محمل و کجاوا اونٹوں پر سوار تھیں اور ظالمین راستے بھر انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہونچا رہے تھے۔ اس سفر کے دوران قافلہ پر خاموشی چھائی ہوئی تھی اور قافلہ سالار حضرت زینبؑ بالکل خاموش اور غور و فکر میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سفر کے مصائب و آلام کا بوجھ وہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھیں۔

دمشق کی دیواریں دور سے دکھائی دینے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ظالمین اسیران کربلا کے پورے قافلے کو لئے دربار حاکم میں داخل ہو گئے۔ حاکم کفر والحاد یزید نے شام کے بزرگوں اور نامور لوگوں کو اپنے دربار میں پہلے ہی سے مدعو کر رکھا تھا۔ اس نے حسینؑ مظلوم کے سر مبارک کو اپنے تخت کے سامنے

رکھ لیا اور حکم دیا کہ اسیروں کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

یزید نے شہداء کے سروں پر پڑے ہوئے پردہ کو ہٹایا اور چھڑی سے امام حسینؑ کے سر اور لبہائے مبارک کو اذیت پہونچانے لگا۔ وہ پاگلوں کی طرح نہایت وحشیانہ انداز میں رجز پڑھتا جا رہا تھا۔ اسی موقع پر حضرت زینبؑ کے علاوہ بنی ہاشم کی تمام خواتین گریہ وزاری میں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں علیؑ کی بیٹی کو جلال آگیا اور انہوں نے دربار یزید میں ایسا دلیرانہ

اور شیرانہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال کم ہی نظر آتی ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ خود علیؑ دربار خلافت سے خطاب فرما رہے ہوں۔

"اے یزید! تو نے ہمارے اوپر مصائب ڈھائے ہمارے لئے زمین کا دائرہ تنگ کر دیا اور اسیری کی حالت میں ہمیں در در پھرایا' تو کیا ان مصائب و سختیوں کی وجہ سے تو نے اپنے زعم ناقص میں سمجھ رکھا ہے کہ ہم لوگ بارگاہ خداوندی میں ذلیل و رسوا ہو گئے ہیں؟ یا خداوند عالم کی بارگاہ میں تجھے کوئی قدر و منزلت حاصل ہو گئی ہے؟ یا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہماری یہ ذلت و رسوائی تیری عظمت و بزرگی کی نشانی ہے؟ اور تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے؟ اور اسی وجہ سے تو نہایت غرور و تکبر کے ساتھ اپنی خوشی کا مظاہرہ کر رہا ہے... یہ محض تیری خام خیالی ہے اور جیسا تو سوچتا ہے ویسا ہرگز نہیں ہے۔

"... اے غلام زادے! کیا عدل و انصاف کا یہی تقاضہ ہے کہ تو اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں رکھے اور رسول خدا کی بیٹیوں کو اسیروں کی طرح در در کی ٹھوکریں کھلاتا رہے' انھیں بے پردہ کر کے تماش بینوں کی نگاہوں کا مرکز بنا دے اور ان پر اتنے

مظالم ڈھائے کہ ان کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکے... تو نے نبی زادیوں کو دشمنوں کے ذریعہ شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار پھرایا۔ نہ ان کا کوئی محافظ تھا اور نہ ہی سفر کے دوران ذرہ برابر آرام و سکون حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا گیا بلکہ دور اور نزدیک سے لوگوں نے ان کی بے پردگی کا تماشہ دیکھا جبکہ مردوں میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ تھا۔"

"... اور اب تو چھڑی سے ابا عبد اللہ الحسینؑ کے لب مبارک کے ساتھ بے ادبی کر رہا ہے تو ایسا کیوں نہ کرے کیونکہ خاندان "عبد المطلب" سے وابستہ ان شہیدوں کے قتل سے تیرے زخمی دل کو بڑا سکون ملا ہے اور تیرا پرانا غم دور ہو گیا۔

"اے یزید! مطمئن رہ کہ ان لوگوں کی طرح تو بھی جلد ہی خداوند عالم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوگا اور اس وقت تو یہ خواہش کرے گا کہ کاش تو دنیا میں اندھا اور گونگا ہوتا۔ اے یزید! تو نے اپنے ہی جسم کو زخمی کیا ہے اور اپنے ہی بدن کے گوشت کو کاٹا ہے۔ تو بہرحال رسولؐ کے سامنے جائے گا اور "حظیرۃ القدس" میں انکے اہلبیتؑ اور جگر کے ٹکڑوں کو ان کے قریب پائے گا۔

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ ...... یرزقون"

یعنی تو ہرگز خیال نہ کرنا کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ہیں وہ مردہ ہیں' وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے روزی حاصل کرتے ہیں۔

اور بہت جلد تو اور جس نے تجھے اس کرسی پر بٹھایا ہے وہ غرضیکہ دونوں کو اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہم میں کون زیادہ بدکار اور فوج و لشکر

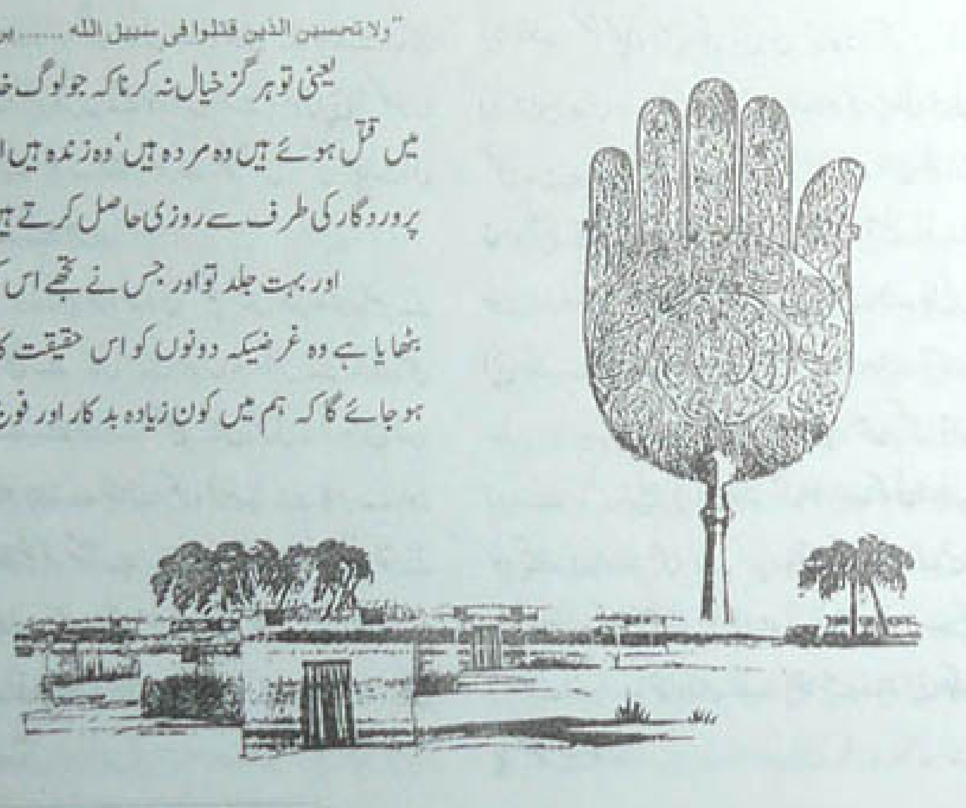

کے اعتبار سے زیادہ کمزور وناتواں ہے۔ اے یزید! تو اس دن کے بارے میں غور کر جب خداوند عالم قاضی ہوگا اور ہمارے جد بزرگوار تیرے مخالف ہوں گے اور تیرے اعضاء بدن تیرے خلاف گواہی دیں گے۔ اگرچہ اس دنیا میں تو نے ہم لوگوں کو مال غنیمت کی طرح اسیر وقیدی بنا رکھا ہے لیکن جلد ہی ہم تجھ سے جنگی خسارہ حاصل کرلیں گے .... تو ابن مرجانہ (عبیداللہ ابن زیاد) کے سایہ میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ بھی تیرا ہی دامن پکڑے گا۔ تو اور تیرے ساتھی عدل خداوندی کے سامنے عاجز وناتواں نظر آئیں گے اور اس وقت تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ فقط اہلبیتؑ محمدؐ ہی کشتی نجات کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

اے یزید! خدا کی قسم، میں خداوند عالم کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتی ہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے سے شکایت بھی نہیں کرتی۔ تو جس قدر ممکن ہو ہمارے خلاف مکروفریب سے کام لے اور جتنے مظالم کرسکتا ہے اتنے کر کیونکہ خدا کی قسم تو نے ہم لوگوں کے ساتھ جو بداخلاقی اور ظلم وناانصافی کی ہے اس کی ذلت وندامت کے گھیرے سے باہر نہ نکل سکے گا۔"

"جو لوگ شہید ہوں گے انہوں نے کارنامۂ حسینی انجام دیا۔ جو باقی رہ جائیں گے انہیں زینبی کام انجام دینا ہے "کُلُّ یَوْمٍ عَاشُوْرَہ وَکُلُّ عَرْضٍ کَرْبَلا۔"

قافلۂ پیام کی قافلہ سالار حضرت زینبؑ نے اپنا خطبہ ختم کیا۔ علیؑ کی بیٹی کی شجاعانہ تقریر کے دوران یزیدی دربار پر غیر معمولی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یزید اور اس کے اردگرد جمع لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے ان کے سروں پر طائر بیٹھے ہوئے ہوں اور وہ اس ڈر سے کہ کہیں یہ پرندے اڑنہ جائیں اپنی جگہ سے ذرہ برابر حرکت نہ کررہے ہوں۔ "کان علی رؤ سہم الطیر۔" بھرے دربار میں کسی میں زور سے سانس لینے کی ہمت نہ تھی اور اب کوئی زینبؑ کو دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کرپا رہا تھا۔ کربلا کی اس شیر دل خاتون کی حق میں ڈوبی ہوئی آواز نے سب کو وحشت زدہ کردیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے زمانہ اپنی جگہ پر ٹھہر گیا ہو۔

کچھ عرصہ تک زندان شام میں قیام کے بعد اسیروں کا یہ قافلہ شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ قافلے کے نگہبان نے پوچھا کہ اگر کوئی خواہش یا ضرورت ہو تو بیان کیجئے۔

زینبؑ نے کہا کہ "اگر ممکن ہو تو ہم لوگوں کو کربلا کی طرف سے لے چلو۔" نگہبان نے نہایت رنج وغم کے ساتھ جواب دیا۔ "بالکل ممکن ہے۔" اس کے بعد وہ کربلا کی طرف چل پڑا اور ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد دشت کربلا دور سے دکھائی دینے لگا۔

یہ امام مظلومؑ اور شہدائے کربلاؑ کے چہلم کی تاریخ تھی۔ اور اب بھی شہداء کے نورانی خون کی خوشبو خاک کربلا سے فضا میں بلند ہورہی تھی۔

مقدس بی بیوں نے اپنے وارثوں اور چاہنے والوں کا بھرپور نوحہ وماتم کیا اور عزاداری وسوگواری کا یہ سلسلہ تین روز تک مسلسل جاری رہا۔

اس کے بعد یہ قافلۂ پیام مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

جی ہاں! واقعہ کربلا کے بعد صدیاں گزر چکی ہیں لیکن قافلۂ پیام کی قافلہ سالار حضرت زینبؑ کے شیرانہ خطبے کی آواز آج بھی کانوں سے ٹکرا رہی ہے اور وہ قافلہ آج بھی اپنی راہ پر گامزن ہے اور آئندہ بھی اس قافلے میں رکاوٹ یا ٹھہراؤ پیدا ہونے والا نہیں ہے بلکہ یہ ہمیشہ لوگوں تک یہ پیغام پہونچاتا رہے گا۔

"جو لوگ شہید ہوں گے انہوں نے کارنامۂ حسینی انجام دیا۔ جو باقی رہ جائیں گے انہیں زینبی کام انجام دینا ہے "کُلُّ یَوْمٍ عَاشُوْرَہ وَکُلُّ عَرْضٍ کَرْبَلا۔"

☆ ☆ ☆

خرداد سے خرداد تک

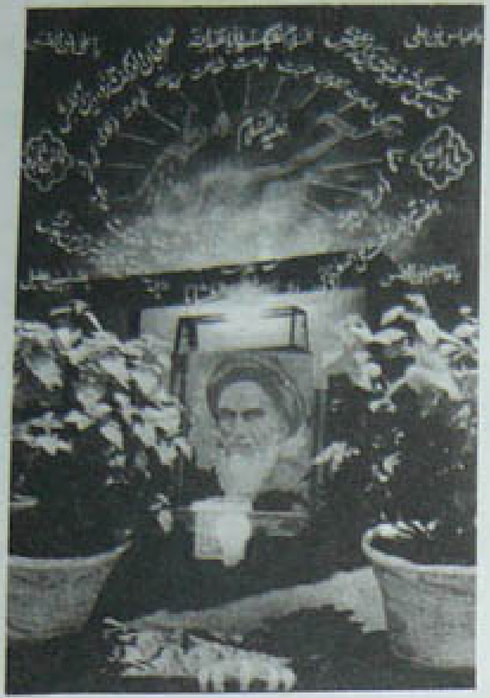

ایرانی تقویم و کلنڈر کے مطابق ماہ خرداد ہجری شمسی سال کا تیسرا اور موسم بہار کا آخری مہینہ ہے لیکن انقلاب اسلامی ایران کی تاریخ میں اس مہینے کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے اور ایرانی عوام اس مہینے میں رونما ہونے والے حوادث سے براہ راست متاثر رہے ہیں۔

خرداد اوّل: ایران کی شاہی حکومت کی ظالمانہ راہ و روش اپنے شباب پر تھی اور مغربی سامراج پورے ملک پر سایہ فگن تھا۔ ملت اسلامیہ ایران شاہی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں، سامراج غلامی سے جاں بلب ہو چکے تھے اور ان پر مظلومانہ و درد انگیز خاموشی طاری تھی اور ہر ایرانی کی یہی خواہش تھی کہ آزادی و استقلال کا سورج نمودار ہو جائے اور انہیں وحشیانہ مظالم اور جان لیوا گھٹن کے ماحول سے نجات مل جائے۔ دوسری طرف سامراج کی غلامی کو سرمایہ افتخار سمجھنے والے ایرانی حکام اس کوشش میں ہمہ تن سرگرم تھے کہ وہ اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایرانی عوام کے مادی اور معنوی سرمایہ کو ان لٹیروں کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے رہیں چنانچہ نوبت یہ آگئی کہ اس وقت کی ایران کی نمائشی پارلیمنٹ نے ایران میں مقیم امریکی شہریوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرنے کی غرض سے خصوصی مراعات پر مشتمل Capitulation نامی مسودہ قانون کو منظوری دینے کی کوشش کی۔ اس مسودہ قانون کی منظوری کے بعد تہران میں مقیم امریکی شہریوں پر ایران کا کوئی بھی قانون لاگو نہ ہوتا اور ایران کی کسی بھی عدالت کو یہ حق حاصل نہ ہوتا کہ وہ کسی امریکی کے خلاف، چاہے اس نے کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ کیا ہو، کسی مقدمہ کی سنوائی کر سکے۔ بہر حال ایرانی عوام شاہی حکومت کی امریکہ غلامی اور مختلف النوع بدعنوانیوں سے عاجز تھے اور اس مسودہ قانون کو دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو مکمل یقین ہو گیا کہ اب حکومت کی سرپرستی میں امریکی باشندے ایرانیوں کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی کے لئے پوری طرح آزاد ہیں۔

غرض کہ خصوصی مراعات پر مشتمل اس معاہدہ کی خبر سے ایرانیوں پر غیر معمولی مایوسی چھا گئی۔ ایسے ماحول میں نہایت ٹھوس اقدام کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور ایسے حالات میں جو شخص آزادی و خود اعتمادی کی آواز بلند کرتا ہے وہ ہر اعتبار سے یگانہ روزگار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس شرمناک معاہدہ کے خلاف خانوادہ حسینؑ مظلوم سے وابستہ خمینی بت شکن نے زوردار آواز بلند کی اور اپنی تقریروں کے ذریعہ ایرانی عوام کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا شروع کیا کہ شاہی حکومت ملت اسلامیہ ایران کے ساتھ خیانت کر رہی ہے۔ اب ایرانیوں کی عزت و آبرو اور ان کا دین و مذہب سب کچھ خطرے میں ہے اور اگر کوئی امریکی باورچی کسی بلند مرتبہ ایرانی عالم دین کو سر بازار

ذلیل ورسوا کردے تو بھی ایرانی حکومت اور عوام کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ کسی ایرانی عدالت میں اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرسکیں۔

لغوی اعتبار سے (CAPITULATION) کا مطلب ہے موافقت اور اطاعت اور اصطلاحی اعتبار سے اس کا اطلاق ایسے معاہدوں پر ہوتا ہے جس کے تحت کسی ایک ملک کے باشندوں کو دوسری مملکت میں خصوصی مراعات فراہم کی جاتی تھیں۔ ایسے معاہدے زیادہ تر یوروپی حکومتوں اور ایشیائی وافریقی حکومتوں کے درمیان ہوا کرتے تھے۔"

اس شرمناک معاہدہ کی منظوری کے بعد ایران کے عدالتی نظام اور قومی استقلال واحترام کو بڑا دھچکا لگا۔ ویسے اس سے قبل بھی ایران کی شاہی حکومت بیرونی ممالک بالخصوص امریکہ وبرطانیہ کے ساتھ ایسے متعدد شرمناک معاہدے کرچکی تھی جس کی وجہ سے ملک کے قومی وقار کو بڑا نقصان پہونچا تھا لیکن یہ معاہدہ اور زیادہ مہلک نتائج کا حامل تھا۔ اسی وجہ سے امام خمینیؒ نے شاہی حکومت کے اس شرمناک اور خیانت آمیز اقدام کی بھرپور مخالفت کی اور اپنی زور دار وحق پسندانہ آواز کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت کی خاموشی کو توڑدیا اور مظلوم مسلمان عوام کے گلے میں نفرت واعتراض اور غیض وغضب کی جو آواز پھنسی ہوئی تھی وہ فلک شگاف نعروں میں تبدیل ہوگئی اور امام خمینیؒ نے سرزمین ایران میں اس صدی کے عظیم ترین حادثہ کی بنیاد رکھدی۔ ان کی آواز نے اسلام اور اسلامی ثقافت کے متوالوں کے دل میں امید کی شمع روشن کردی اور دوسری طرف خیانت کار شاہی حکمراں لرزہ براندام نظر آنے لگے۔ انہوں نے ایرانی پارلیمنٹ کی جانب سے اس شرمناک اور ذلت آمیز معاہدے کی منظوری کے بعد قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ کے حوالے سے "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا"۔ ملک وملت کے نام اپنا تاریخ ساز پیغام صادر کردیا۔ اس انقلابی پیغام میں انہوں نے شاہی حکومت کی خیانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا ایرانی کو معلوم ہے کہ ان دنوں پارلیمنٹ میں کیا ہوا؟ کیا ملت ایران کو پتہ ہے کہ اندر ہی اندر اس پر کیسا ظلم کیا گیا ہے؟ کیا اسے معلوم ہے کہ پارلیمنٹ نے شاہی حکومت کی تجویز پر ایرانی قوم کو امریکہ کا غلام بنادیا اور ایران کو امریکی نوآبادیاتی نظام کا حصہ قرار دیدیا؟ امریکہ کو اس بات کی سند دیدی کہ ملت اسلامیہ ایران دائرہ انسانیت سے باہر ہے اور اس کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہی حکومت نے ہمارے قومی اور اسلامی مفاخر کو چشم زدن میں نیست ونابود کرڈالا۔"

اپنے اس انقلابی پیغام میں امام خمینیؒ نے شاہی حکومت کی خیانتوں کا پردہ فاش کرتے ہوئے مزید فرمایا"... اس شرمناک معاہدے کے بعد ایران میں مقیم فوجی اور غیر فوجی امریکی مشاورین اپنے خانوادہ وملازمین کے ایرانی عوام کے ساتھ ہر طرح کے ظلم وجور کے لئے پوری طرح آزاد ہیں اور ایرانی پولیس

ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاسکتی۔ انہیں گرفتار نہیں کرسکتی اور ایرانی عدالتوں کو بھی یہ حق نہیں کہ ان تجاوزکارانہ حرکتوں کے خلاف کسی مقدمہ یا عدالتی معاملہ کی سنوائی بھی نہیں کرسکتی۔"

امت اسلامیہ ایران کے قائد عظیم الشان کی اس آواز نے سامراج غلام ایرانی حکام کو لرزہ براندام کردیا۔ ان لوگوں نے عوام الناس پر حکومت کا رعب ودبدبہ قائم کرنے اور لوگوں میں خوف ودہشت پھیلانے کے لئے اہم اسلامی مراکز پر حملہ کردیا اور مدرسہ فیضیہ قم پر دھاوا بول کر وہاں علماء اور طالب علموں کے قتل عام کا بازار گرم کردیا۔ قرآن

ور دیگر اہم مذہبی کتابوں کو نذر آتش کر دیا اور دینی طالب علموں کو کئی منزلہ عمارت سے نیچے پھینک دیا اور انہیں گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ شاہی حکمرانوں کا خیال تھا کہ ان کی اس ظالمانہ روش کو دیکھ کر ایرانی عوام کے انقلابی جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے لیکن ان جلادوں کو اس حقیقت کا اندازہ نہ تھا کہ امام خمینیؒ کی آواز دراصل ایرانی عوام کی آواز ہے چنانچہ امام خمینیؒ نے اس جانگداز حادثہ کے بعد اسی سال یعنی ۱۳۴۲ھ ش مطابق ۱۹۶۵ء میں یوم عاشورہ کے موقع پر اپنی دلیرانہ تقریر میں شاہ ایران کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"تو اپنی زندگی کے ۴۷ سال پورا کر رہا ہے پس اگر لوگ تجھے ظالمانہ راہ و روش اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں تو تو اسے قبول مت کر۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ایسا کام مت کر کہ جب میں تجھے ملک سے باہر نکال دوں تو لوگ تیرے جانے کی خوشی میں جشن شادی کا اہتمام کرنے لگیں بالکل اسی طرح جیسے تیرے باپ کے جانے کے بعد ایرانی عوام نے شاندار جشن منایا تھا۔ پس اے بدبخت! ایسا کام مت کر کہ تجھے بھی اسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے۔"

امام خمینیؒ کی اس انقلابی تقریر کے بعد دوسرے دن اذان صبح سے قبل شاہی جلادوں نے ان کے گھر پر حملہ کر دیا جس کا ذکر خود امام خمینیؒ نے اس انداز میں کیا ہے:

"میں نماز شب ادا کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک شور و غل کی آواز سنائی دی۔ میں نے عبا اپنے کندھے پر ڈالی اور تیزی سے دروازہ کی طرف بڑھا کہ دیکھوں آخر ماجرا کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کے دروازہ کو عجیب طرح سے کھولا گیا ہے۔ میں نے غصہ کے عالم میں ان لوگوں سے دریافت کیا کہ آخر یہ کیسی حیوانیت ہے۔ اگر تم لوگوں کو خمینیؒ کی تلاش ہے تو آؤ خمینیؒ میں ہوں۔ ایرانی عوام نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ جلاد صفت بھی شاہی افسران کالے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ان کے جوتوں میں بھی کسی قسم کی کوئی آواز نہیں تھی اور وہ بہت دھیرے دھیرے چل رہے تھے کہ کہیں لوگ جاگ نہ جائیں اور مجھکو لے جانے میں رکاوٹ پیدا کر دیں اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے ایک چھوٹی گاڑی میں بٹھا دیا اور گاڑی اسٹارٹ کئے بغیر دھکا دیکر گلیوں سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔"

اس کے بعد دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں نے ان لوگوں سے کہا کہ گاڑی روکو تاکہ میں نماز صبح ادا کر لوں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ آخر اب تم لوگ اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ایرانی عوام کے درمیان آپ بہت مقبول ہیں۔ اگر لوگوں کو آپ کی گرفتاری کی اطلاع مل گئی اور ہم لوگ ان کے گھیرے میں آ گئے تو وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ جو گاڑیاں میری گاڑی کی حفاظت کے لئے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں وہ دور تک دکھائی نہ پڑیں جس کی وجہ سے ان لوگوں پر یہ وحشت طاری تھی کہ کہیں عوام نے انہیں راستہ میں روک نہ لیا ہو۔ بہرحال میں نے بہت اصرار کیا کہ نماز پڑھنے کے لئے گاڑی روک دو لیکن ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔ میں نے کہا اچھا اتنی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ کہ میں تیمم کر لوں لیکن وہ لوگ نہیں مانے۔ اچانک کار پنچر ہو گئی۔ میں نے گاڑی سے نیچے اتر کر تیمم کیا اور گاڑی کے اندر جا کر نماز پڑھی اور تھوڑی دیر میں تہران پہونچ گئے۔" اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ "میری پوری زندگی میں وہی دو رکعت نماز تھی جو میں نے تیمم کی حالت میں قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھی تھی اسے ممکن ہے کہ خداوند عالم نے قبول کر لیا ہو۔"

ابھی ۱۵؍خرداد کا سورج نمودار نہیں ہوا تھا کہ امام خمینیؒ کی گرفتاری کی خبر پورے شہر قم میں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق ان کے گھر کی طرف بڑھنے

لگے۔ عوام کی بہت بڑی تعداد نے امام خمینیؒ کے فرزند شہید مصطفیٰ خمینیؒ کے ہمراہ مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ ان مظاہروں میں پہلی بار مومن خواتین بھی مردوں کے ساتھ ساتھ موجود تھیں۔ ان کی گودیوں میں بچے تھے پھر بھی وہ قم کی سڑکوں پر شاہی حکومت کے خلاف احتجاجی نعرے لگا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ قم کی سڑکوں پر عوام الناس کا سیلاب امنڈ آیا ہے اور یہ سیلاب شاہی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

کے سینوں میں برسوں سے انقلاب کی جو آگ دبی ہوئی تھی وہ پوری طرح بھڑک اٹھی اور ان کے فلک شگاف نعروں کے درمیان گولیوں اور ٹینکوں کی آواز پوری طرح گم ہو گئی اور ان جانبازوں نے پتھر اور ڈنڈوں سے سنگین بردار جلادوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

قم کے غیرت دار مجاہدوں نے ۱۵؍خرداد کو صبح ۷ بجے سے شاہی فوج کی گولہ باری کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ شہر کی سڑکوں پر شہیدوں کی لاشوں کے انبار جمع ہو گئے لیکن انقلابی عوام قطعی خوفزدہ نہیں

سمجھ رہے تھے کہ اس قتل عام کے بعد ملت ایران اسلامی انقلاب اور اس کے قائد عظیم الشان سے علیحدگی اختیار کر لے گی۔

لیکن حسینؑ مظلوم کے فرزند نے ایرانی عوام کے قلوب میں ایمان کی جو شمع روشن کی تھی وہ اس قسم کے مظالم کی آندھیوں سے بجھنے والی نہیں تھی البتہ کچھ دنوں کے لئے شہیدوں کے سوگ و ماتم کے پنجے میں اس کی روشنی قدرے پوشیدہ ضرور رہی۔

واضح رہے کہ اس قتل عام کے بعد شاہی

امام خمینیؒ نے ان جلادوں کے اس طنز آمیز جملے کا جواب دیتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا تھا: "میرے سپاہی تو اپنی ماؤں کے شکم میں ہیں۔"

شاہی حکومت کی اس ظالمانہ روش کے خلاف احتجاج اور مظاہروں کا یہ سلسلہ فقط قم تک ہی محدود نہ رہا بلکہ مشہد مقدس میں روضۂ امام رضاؑ کے صحن میں بھی مومن مظاہرین کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی اور حکومت کے جلاد صفت فوجیوں نے ان خالی ہاتھ مظاہرین پر گولیاں برسا دیں جس میں سیکڑوں بے گناہ افراد شہادت سے ہم آغوش ہو گئے اور شہید ہونے والوں میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی۔ مظاہرین نے گولیوں کی پرواہ نہیں کی اور شاہی مظالم کے خلاف نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ان

ہوئے بلکہ شام ۵ بجے تک وہ ان جلادوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے اور آخر کار غروب آفتاب کے بعد یہ شہر ایک ماتم کدہ میں تبدیل ہو گیا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسا کہ یوم عاشورہ گزرنے کے بعد شام غریباں آ گئی ہو۔

جی ہاں! اس واقعہ نے واقعہ کربلا کی یاد تازہ کر دی۔ قافلہ سالار کا اغواء کیا جا چکا تھا اور ان کے اصحاب و انصار اور عاشقوں کو خاک و خون میں غلطاں کیا جا چکا تھا اور یزید وقت کے جلادوں کے درمیان قہقہوں کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ اپنے زعم ناقص میں یہ

حکومت کے جلادوں نے نہایت طنزیہ انداز میں امام خمینیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "دیکھو! ہم لوگوں نے تمہارے چاہنے والوں کا کام تمام کر دیا اور تمہارے سبھی سپاہی خاک و خون میں غلطاں نظر آ رہے ہیں۔"

امام خمینیؒ نے ان جلادوں کے اس طنز آمیز جملے کا جواب دیتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا تھا: "میرے سپاہی تو اپنی ماؤں کے شکم میں ہیں۔"

جی ہاں! امام خمینیؒ نے یہ جملہ ایسے ہی نہیں کہہ دیا تھا بلکہ ان کی عرفانی نگاہیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ ۱۷ سال کے بعد ماؤں کے شکم اور ان کی آغوش میں

پلنے والے وہی بچے طاقتور سپاہی بن کر سامنے آگئے۔

امام خمینیؒ کے یہ نوجوان سپاہی شاہی حکومت کے مقابلے میں سیلاب کی طرح امنڈ پڑے اور آخر کار ۲۲ر بہمن ۱۳۵۷ھ ش ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو موجودہ صدی کے عظیم ترین واقعہ یعنی اسلامی انقلاب کی کامیابی کو جنم دینے میں کامیاب ہوگئے اور جلاد صفت شاہ ایران اور اس کے غلاموں کو ایران سے نکل بھاگنے پر مجبور کردیا۔

خرداد دوم

یعنی ۱۴ر خرداد ۱۳۶۸ھ ش

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا اور ماہ خرداد دوبارہ آگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مہینہ راہ حق میں چلنے والے عاشقوں کے مرشد سے وابستہ ہے۔ وہ مرد بزرگ جس کی طریقت راہ حق، جس کی شریعت کلام حق اور جس کی حقیقت وصال یار تھی۔ جو قافلہ خرداد ۱۳۴۲ھ ش روانہ ہوا تھا اور دوران سفر ہر طرح کے مصائب و آلام کو جھیلتا ہوا بڑی ثابت قدمی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن تھا اور اپنے مقصد کو حل کرنے میں پوری طرح کامیاب بھی تھا۔ در حقیقت اسی راہ پر پیش قدم تھا جو حسینؑ مظلوم کی راہ تھی اور جس کو حسینؑ نے نیا معنی و مفہوم عطا کیا تھا۔ جی ہاں! راہ حسینؑ اور مقصد بھی مقصد حسینؑ۔ اگرچہ دور حاضر کے یزیدیوں نے متعدد بار اس مرد عظیم کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی کیونکہ حسینی تحریک کے اس سیلاب کو سازشوں کے ذریعہ ہرگز نہیں روکا جاسکتا تھا۔

جی ہاں! موجودہ صدی میں ہمارے اس قافلے کا قافلہ سالار وہ شخص تھا جو نسبتی اعتبار سے حسینؑ مظلوم کی اولاد میں تھا۔ جو اپنے دور میں علوی عدالت و حسینی ارمانات کا پیرو تھا جو ابدی دنیا کی طرف جانے والا تھا تاکہ اپنے وجود کو حق کی بقا کے لئے فنا کردے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس مرد بزرگ کے خاکی جسم میں اب اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی کہ وہ ایسی عظیم روح کو اپنے وجود میں محفوظ رکھ سکے۔ یہ ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس کی طرف انہوں نے اپنی عرفانی غزل کے ایک شعر میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

مرغ باغ ملکوتم نیم از عالم خاک
چند روزی قفسی ساختہ اند از بدنم

انسانی روح کا قفس عنصری سے عالم بالا کی طرف پرواز ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ جب سالک منزل مقصود تک رسائی حاصل کرلیتا ہے اور وصال کی راہ طے کرلیتا ہے تو وصال معشوق یقیناً ایک نعمت حق ہے۔

جی ہاں! جسمانی طور پر امام خمینیؒ بیمار ہوگئے۔ انہیں اسپتال لے جایا گیا اور ڈاکٹروں نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ امت اسلامیہ ایران کو اپنے پیرو مرشد اور رہبر و قائد کی جدائی کا غم نہ اٹھانا پڑے۔ ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے لیکن امام خمینیؒ کے چہرے سے دوسری طرح کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں اور بیساختہ ان کے لبوں پر یہ کلمات آجاتے ہیں۔

”لوگوں سے کہو کہ وہ دعا کریں کہ خداوند عالم مجھے اپنی بارگاہ میں قبول کرلے۔“

امام امت اپنے اخروی سفر کے لئے آمادہ ہیں اور ان کی آنکھوں سے غیر معمولی نور جھلک رہا ہے۔ وصال کے لمحات بہت قریب ہیں اور ان پر غیر معمولی سکون واطمینان طاری ہے کہ فضا میں یہ ملکوتی آواز گونجنے لگتی ہے۔ "یا ایتھا النفس المطمئنة.. مرضیہ۔" یہ ۱۳ر خرداد کی رات ہے اور دس بجکر بیس منٹ ہوچکے ہیں۔ اچانک ایسا لگا جیسے زمانہ اپنی جگہ ٹھہر گیا ہو۔ جی

ہاں اس رات عاشقوں کے قافلے پر فراق وجدائی کا سایہ پھیل جاتا ہے کیونکہ ان کا قافلہ سالار ابدی نیند میں ڈوب چکا ہے اور ملت ایران ایسے غم سے دوچار ہو جاتی ہے جس کا احساس قیامت تک باقی رہے گا۔

۱۴ خرداد کی صبح کو امت اسلامیہ عالم کو یہ خبر ملتی ہے کہ امام خمینیؒ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ ملک میں چالیس روز کے عوامی سوگ اور چھ روز کی تعطیل کا اعلان ہو جاتا ہے۔ پورا ایران سیاہ پوش نظر آنے لگتا ہے اور فضا میں گریہ وزاری کی آواز گونجنے لگتی ہے اور ایران کے ہر گوشے میں نوحہ و ماتم کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے ہاں کیوں نہ ہو' فرزند حسینؑ کا ماتم ہے اور ایرانی عوام کے لئے یقیناً یہ ایک ناقابل تحمل حادثہ ہے پورے ملک سے تقریباً ایک کروڑ دس لاکھ لوگ تہران آ گئے تاکہ اپنے امام کو الوداع کہہ سکیں۔

آخر کار غیر معمولی رنج و غم اور سوگ والم کے ماحول میں امام خمینیؒ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کر دیا گیا اور امت اسلامیہ عالم اپنے قائد عدیم المثال کے جسمانی وجود سے محروم ہو گئی۔ اس موقع پر قائد انقلاب اسلامی آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"۱۴ خرداد جیسا کوئی دوسرا دن نہیں تھا کیونکہ اس دن امت اسلامیہ پر رنج و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لوگوں پر غم واندوہ کے تازیانے برس رہے ہوں۔ ایران ایک ایسے قلب کی مانند تھا جو یاس وحسرت اور رنج و غم میں ڈوب گیا ہو۔ ایران ایک ایسی آنکھ میں تبدیل ہو چکا تھا جو اس عظیم مصیبت پر لگاتار آنسو بہا رہی تھی۔ اس دن وہ خورشید غروب ہوا جس کے طلوع ہوتے ہی ملت ایران کی زندگی میں نور وہدایت کے ہزاروں چشمے ابلنے لگے تھے۔ اس دن اس ملکوتی روح نے پرواز کیا جس کی الٰہی روح نے ملت ایران کے نیم مردہ جسم میں نئی روح پھونک دی تھی اور وہ آواز خاموش ہو گئی جس کی آواز کی گرمی نے دنیائے اسلام پر چھائی ہوئی سردی اور افسردگی کو دور کر دیا تھا اور وہ لب خاموش ہو گئے جو آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہوئے مسلمانان عالم کو عزت و عظمت اسلامی کی طرف مدعو کر رہے تھے اور یاس وحسرت اور مایوسی وناامیدی کو مسلمانوں تک رسائی نہیں حاصل کرنے دیتے تھے۔"

ایران ایک ایسی آنکھ میں تبدیل ہو چکا تھا
جو اس عظیم مصیبت پر لگاتار آنسو بہا رہی تھی۔
اس دن وہ خورشید غروب ہوا
جس کے طلوع ہوتے ہی ملت ایران کی زندگی میں
نور وہدایت کے ہزاروں چشمے ابلنے لگے تھے۔

راہ حسینؑ اور مقصد بھی مقصد حسینؑ۔ اگرچہ دور حاضر کے یزیدیوں نے متعدد بار اس مرد عظیم کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی کیونکہ حسینی تحریک کے اس سیلاب کو سازشوں کے ذریعہ ہرگز نہیں روکا جا سکتا تھا۔

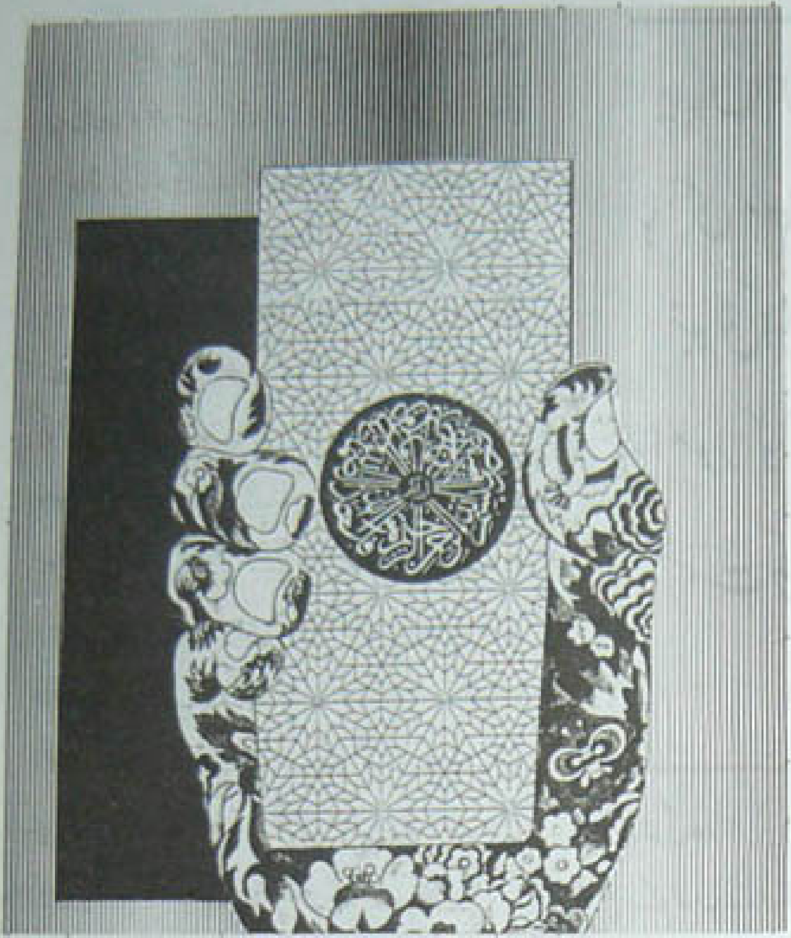

عالم اسلام میں مذہب اور تمدن کا اتصال

از: حجت الاسلام محمد مجتہد شبستری

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جن اقوام نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا ان کے تمدن کی بقا کا اسلام ضامن رہا اور اسے فنا و نابودی سے محفوظ رکھا۔

یہاں تمدن سے مراد اس کا عام مفہوم ہے۔ کیونکہ جس وقت ہم مذہب و تمدن کو ایک دوسرے کے مقابل لاتے ہیں تو ہماری یہی کوشش ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی ربط و تعلق متعین کریں۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ تمدن کے عام معانی کو ہی مد نظر رکھیں۔ چنانچہ یہاں تمدن سے ہمارا مقصد زندگی کا احساسی و عقلی پہلو ہے۔ یعنی وہ عنصر جو فن نقاشی، موسیقی، ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں نمایاں و جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور یا وہ ارتباطات جو عالم انسانی میں موجود ہیں انہیں وہ وجود میں لائے۔ جیسے قانونی و معاشرتی اصول و ضوابط، آداب و اقدار اور رسومات وغیرہ۔ یعنی یہ وہ چیزیں ہیں جن کی اختراع خود انسان نے کی ہے۔ اور اس کی حقیقت کے معنی کہ انسان بذات خود تمدنی ہستی موجود ہے یہی ہیں کہ انسان تمدن کی خود تعمیر کرتا ہے اور یا اس کے ساتھ وہ زندہ رہتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے کہ ان الہامی مذاہب کے درمیان جن کے ذریعے احکام الٰہی صادر کئے گئے ہیں اور وہ تمدن جو انسان نیز انسانی طرز زندگی کا حامل ہے کیا ربط و تعلق ہے؟ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وحی جو خداوند تعالیٰ کی جانب سے اس کے برگزیدہ بشر پر نازل ہوتی ہے کیا وہ انسانی تمدن کو نفی کرکے خود کسی نئے تمدن کو وجود میں لاتی ہے یا وہ اس انسانی تمدن کی بقا پر اثر انداز نہیں ہوتی؟ اگر اس کی بقا پر وہ اثر انداز نہیں ہوتی تو اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ "بقا" کے معنی کیا ہیں؟ چنانچہ وہ شخص جو کسی الہامی مذہب کا پیروکار ہے اُسے چاہئے کہ اس سوال کا جواب دے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ انسان کو زندہ کس طرح رہنا چاہئے؟

قرآن اور احادیث نبویؐ دین اسلام کے دو بنیادی سرچشمے ہیں۔ ان کے علاوہ علم فقہ، حرام و حلال کی حدود کو متعین کرتا ہے۔ یہاں ہمیں اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ وہ اقوام جنہوں نے دین اسلام کو قبول کیا ان کے تمدن کے ساتھ دین اسلام نے کیا رویہ اختیار کیا؟ کیا ان سرچشموں نے ان اقوام کے تمدن کو جو دین اسلام پر ایمان لائیں بقا بخشی یا اسے نیست و نابود کر دیا اور اس کی جگہ کوئی نیا تمدن عالم وجود میں آیا؟ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جن اقوام نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا ان کے تمدن کی بقا کا اسلام ضامن رہا اور اسے فنا و نابودی سے محفوظ رکھا البتہ اس بات کا خاص خیال رکھا کہ اس تہذیبی روایت سے بنی نوع انسان کی الٰہی فطرت کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

یہاں اس ساری بحث وگفتگو کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاملات اور سیاسی امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور علم فقہ کا کردار یہ رہا ہے کہ معاملات وامور کو منظم شکل دینے کے ساتھ ہی ان کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی جائے نہ کہ ان کو لغو وباطل قرار دے دیا۔

حضرت محمد مصطفےٰ کے تئیس ۲۳ سالہ زمانہ رسالت وحکومت کے دوران مسلمانوں کی سماجی ومعاشرتی زندگی کے اصول وضوابط اور قوانین متعین ومقرر ہوچکے تھے۔ اور وہ معاشرتی وسماجی تبدیلیاں جو رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد وقوع پذیر ہوئیں ان سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ان اصول وضوابط اور قوانین کے پس پشت کوئی مناسب شرعی یا قانونی تفسیر وتوجیہ ضرور ہونا چاہئے تاکہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ جب کبھی نئے حالات وواقعات سے وہ دوچار ہوں تو وہ کیا راہ وروش اختیار کریں۔ یہ جدید واقعات معمولاً اسی وقت رونما ہوئے۔ جب کہ ان اقوام نے جن کا تمدن عربوں کے تمدن سے الگ اور جداگانہ تھا' دین اسلام کو قبول کیا۔ چنانچہ جب کبھی کوئی نیا واقعہ مسلمانوں کی زندگی میں پیش آتا اور بعض ایسے واقعات مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہوتے' جو ان کی زندگی میں تبدیلی کا باعث ہوتے تو کوئی نیا سوال ضرور سامنے آجاتا۔ ان حالات کے پیش نظر فقہی اجتہادات کا سہارا لیا جاتا۔ چنانچہ جتنے بھی اجتہادات باہمی معاملات اور سیاسی امور سے متعلق تاریخ اسلام میں پیش آئے وہ تمام نئے سوالات کا ہی جواب تھے۔

فقہی اجتہاد کا کردار یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان تبدیلیوں کو جن کا تعلق انسانی تمدن سے ہے' اس طرح حل وفصل کرے کہ مجموعی طور پر وہ کلام اللہ اور سنت پیغمبرؐ کے عین مطابق ہوں۔ یا بالفاظ دیگر زندگی کی تبدیلیوں کی نگرانی کلام اللہ اور سنت نبویؐ کی روشنی میں کی جاتی اور اس طرح ان تبدیلیوں کو ایک نیا رخ مل جاتا۔ کلام اللہ اور سنت نبوی کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ روش زندگی اور طرز تشکیلات زندگی کیا ہیں کیونکہ روش زندگی اور اس کی مختلف تشکیلات خود زندگی اور عوام کے تمدن کے ارتقا سے ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ لیکن کتاب خدا اور سنت نبویؐ ان واقعات کو ناقدانہ نظر سے دیکھتیں اور فقہی اجتہاد ان تبدیلیوں اور واقعات کی اس جانب رہنمائی کرتا جو اسلامی آفاقیت واقدار کے عین مطابق وسازگار ہوتیں۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ علم فقہ مسلمانوں کی زندگی میں وارد ہوا۔ یا بالفاظ دیگر علم فقہ کا وجود اس لئے ہوا کہ وہ سوالات کا جواب دے نہ کہ خود سوالات پیدا کرنے لگے۔ علم فقہ کا وجود ہوا تاکہ وہ ایسا عامل بن سکے جو زندگی کی تبدیلیوں اور اس کے سرچشموں کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کرسکے تاکہ اس کے دھارے بدل دے۔

دستورات ونظامات' سیاسی واداری تشکیلات اور مسلمانوں کے وہ اقتصادی واجتماعی مسائل جن کا ذکر سیاسی ومدنی فقہ اسلام میں کیا جاچکا ہے علم فقہ کی پیدائش کا سبب نہیں کیونکہ ان میں سے بعض دستورات ونظامات اور تشکیلات کا تعلق عربوں کی اس اجتماعی زندگی سے ہے جو مکہ اور مدینہ جیسے شہروں میں آباد تھے۔ اور ان میں سے بعض ان اقوام اور ممالک سے متعلق تھے جنہیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ اور خود مسلمان ان دستورات کا فائدہ اٹھاتے تھے۔ مثال کے طور پر "بیعت" اور "مشاورت" کی رسم عربوں میں اسلام سے قبل بھی موجود تھی اور اس کا ان میں عام رواج تھا۔ وزارت اور ایوان جیسے عہدے جو بعد میں اسلامی نظام کے اندر داخل ہوئے' اسلام سے قبل دیگر اقوام میں موجود تھے۔ اور انہیں اسلام نے بھی اداری امور میں شامل کرلیا۔ اس کے علاوہ دیگر تمام معاملات جیسے باہمی عہد وپیمان' بیع' کرایہ' ہبہ' صلح' رہن' باہمی تجارت وزراعت' آبیاری' نکاح' طلاق .... وغیرہ کا رواج اسلام سے قبل نہ صرف عربوں بلکہ دیگر معاشروں میں بھی تھا۔ جنگ وصلح کے بارے میں بھی اصول وقواعد موجود تھے۔ ان تمام امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور بعد میں علم فقہ کا دخل صرف اتنا ہی تھا کہ ان کو اسلامی جہاں بینی واخلاق سے ہم

آہنگ و مطابق کر دے۔ اور اگر ایسے آداب و رسوم اور قوانین ہوں جو اسلامی معیار کے منافی ہوں تو انہیں منسوخ کر دے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ ایسے مسائل میں کلام اللہ اور سنت نبویؐ کا بنیادی پہلو اجازت سے زیادہ انکار و ممانعت پر مبنی تھا۔ اکثر و بیشتر یہی کہا جاتا تھا کہ فلاں کام کو انجام دیئے جانے کی اجازت ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ سود نہ کھانا چاہئے' باہمی معاملات میں ایک دوسرے کو دھوکا نہ دینا چاہئے' ظلم کی بنیاد پر اپنی طاقت واقتدار کا استعمال نہ کرنا چاہئے' دولت کا چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جانا عام لوگوں کے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ نیز اسی قسم کے دیگر امور۔ غرض یہاں اس ساری بحث وگفتگو کا حاصل یہ ہے کہ باہمی معاملات اور سیاسی امور میں کلام اللہ' سنت نبویؐ اور علم فقہ کا کردار یہ تھا کہ معاملات وامور کو منظم شکل دینے کے ساتھ ہی ان کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی جائے نہ کہ ان کو لغو و باطل قرار دیا جائے۔ چنانچہ فقہاء انہی افکار کی بنیاد پر عمل کرتے رہے۔ وہ انسان کی زندگی میں آنے والے ان تغیرات کی حرکت کے قائل تھے جس کا درس انہوں نے کلام اللہ اور سنت نبویؐ سے حاصل کیا تھا۔

یہاں علم فقہ کی ایسی دو کتابوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے جو چوتھی صدی ہجری میں تالیف کی گئی تھیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب فقہاء کے سامنے مسلم اقوام کی زندگی کے تغیر و تبدل پذیر مسائل آتے تھے تو وہ کس طرح حقیقت پسندانہ طور پر ان مسائل کو حل و فصل کرتے تھے۔ ان دو کتابوں میں سے ایک کا نام "المبسوط" ہے جس کی تالیف مشہور و معروف فقیہ و متکلم شیخ طوسی نے کی تھی۔ موصوف اس کتاب کے آغاز میں رقمطراز

> **فقہی اجتہاد کا کردار یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان تبدیلیوں کو جن کا تعلق انسانی تمدن سے ہے' اس طرح حل و فصل کرے کہ مجموعی طور پر وہ کلام اللہ اور سنت پیغمبرؐ کے عین مطابق ہوں۔**

ہیں: علم فقہ کے بارے میں مسلمانان اہل سنت والجماعت فقہاء نے بہت سی کتابیں مرتب کی ہیں۔ جن میں بیشتر فروع کے جوابات دیئے گئے ہیں (اہل سنت والجماعت کے جن فقہی فروع کی جانب شیخ طوسی نے اشارہ کیا ہے وہ ان جوابات پر مشتمل ہیں جو اہل سنت والجماعت کے سامنے سوالات کی صورت میں سیاسی' سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں کے باعث مسلمانوں کے سامنے آتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ایران میں عنان اقتدار حکومت اہل سنت کے ہی ہاتھ میں تھی۔) اور میں یہ کتاب مبسوط لکھ کر انہی سوالات اور دیگر سوالات کا جواب اس شیعہ نظریہ کی رو سے دے رہا ہوں۔ جس کے اصول و مبانی مسلک تشیع پر قائم ہیں۔ میں یہاں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ شیعہ فقہ کی ظرفیت انتہائی وسیع ہے اور اس میں زندگی کے تمام حقائق وواقعات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کے کہنے سے شیخ طوسی کا یہ مقصد نہیں کہ شیعہ علم فقہ محض نظری اعتبار سے نہایت ہی وسیع اور معلومات سے لبریز علم ہے۔ (موصوف چوتھی صدی ہجری کے دوران شہر بغداد میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس زمانے میں بغداد اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز اور علم و دانش کا گہوارہ تھا۔ نیز اس کا شمار اس زمانے میں ایک عالمی شہر کی حیثیت سے ہوتا تھا۔) شیخ طوسی نے جو کچھ کہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ فقہ میں واقعیت زندگی کے ساتھ ہم آہنگی و سازگاری کی بدرجہ اتم استعداد و صلاحیت موجود ہے۔

دوسری کتاب "الطرق الحکمۃ" ہے جو ابن قیم کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بھی بہت زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ یہ مشہور و معروف فقیہ بھی چوتھی صدی ہجری میں بقید حیات تھے۔ موصوف نے یہ مفصل کتاب اس امر کی وضاحت کرنے کے لئے تالیف کی تھی کہ مسلمانوں سے متعلق امور کے نظم و نسق کے لئے حاکم و قاضی وقت کے دست اختیار پر کوئی بندش نہیں ہونی چاہئے کیونکہ فقہی اصول و موازین اس امر کے متقضی ہیں کہ حاکم و قاضی کو واقعیت زندگی کے تابع ہونا چاہئے۔ عالم اسلام میں مذہب اور تمدن کے درمیان بھی باہمی ہم آہنگی و سازگاری تھی۔ اسی لئے آج ہمارا بھی یہ ہی فرض ہے کہ انسانی مسائل اور انسانی تمدن کی واقعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اصلاح و انتظام کا وہی شیوہ اختیار کریں جو قدماء کے پیش نظر تھا۔ اور انہیں لغو و باطل قرار دینے کے بجائے صحیح راستے پر رواں کریں۔

محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ

متاع عبادت وہی حامدؐ واحمدؐ
زمانے کی خلقت کا مقصود ومقصد
وہ ممکن کی منزل وہ واجب کی سرحد

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

مکیں جب نہیں تھے مکاں جب نہیں تھا
زمیں جب نہیں تھی زماں جب نہیں تھا
بتا کون تھا کل جہاں جب نہیں تھا

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

ہوا تھی نہ آتش نہ مٹی نہ پانی
نہ جنت نہ آدم نہ دنیائے فانی
وہ تخلیق اول نہیں جس کا ثانی

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

وہ پروانہ واری چراغ یقیں پر
وہ تسبیح لب پر پسینہ جبیں پر
یہ معراج کس کی ہے عرش بریں پر

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

شجر نے کسے جھک کے سجدا کیا ہے
سدا کس پہ بادل نے سایا کیا ہے
یہ کس نے قمر کو دوپارہ کیا ہے

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

وہ انسان کامل وہ عالم کا رہبر
وہ اول پیمبر وہ آخر پیمبر
وہ تنویر معبود اللہ اکبر

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

وہ عرش بریں تک پہونچنے کا زینہ
وہ رحمت کا دساگر کرم کا سفینہ
وہ شاہؐ زمن تاجدار مدینہ

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

سراپا محبت مجسم ہدایت
سکھائی ہے دنیا کو جس نے اخوت
زمانہ کو جس نے بتائی ہے وحدت

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

یہ جنت کے کوچے اسی کی گلی ہیں
اسی سے پیمبر اسی سے ولی ہیں
اسی کی تجلی کا پرتو علیؑ ہیں

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

ہے داماد کس کا علیؑ سا دلاور
ہے گیارہ اماموں کی ماں کس کی دختر
یہ کس کے نواسے ہیں شبیرؑ وشبرؑ

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

چراغ ازل بھی چراغ ابد بھی
وہ قرآن بھی رہ حدیث صمد بھی
وہ رحمت بھی نصرت بھی دست مدد بھی

محمدؐ محمدؐ محمدؐ

مہدی نظمی

ایرانی فن نقاشی کی خصوصیات

ایرانی فنکار کی ہر گز یہ کوشش نہیں ہوتی تھی کہ وہ مناظر قدرت کے مقابل آئینہ پیش کرے بلکہ وہ فطرت کے ظاہر وباطن کو ان کی روایتی طراحی کے قالب میں منتقل کر دیا کرتا تھا جن کے ابتدائی اصول کا سرچشمہ غالباً اسلام سے قبل ایران کے فن نقاشی میں پایا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر وہ تین ابعادی دنیا اور مظاہر کی مجسم شدہ شکلوں کو دو ابعادی تصاویر میں سمیٹ لیتا تھا۔ ایرانی فن نقاشی میں رنگ کی حیثیت تخت کی سی ہوتی تھی۔ اور غالباً کسی بھی شکل' پیکر یا منظر کو دیگر تمام مناظر کے مقابل ممتاز و نمایاں صورت میں پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن بہر صورت موضوع خواہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو وہ دلکش و قابل قبول طرز میں پیش کیا جاتا تھا۔ جنگجو سپاہیوں سے بھرے ہوئے میدان جنگ' جن میں گھوڑے' ہاتھی اور آسمان میں تیرتی ہوئی فرشتے نما صورتیں دکھائی جاتی تھیں۔ سلاطین کے دربار کی درباریوں اور ملازمین کے ساتھ منظر کشی کی جاتی تھی..... اور شاذ و نادر ہی یہ احساس ہوتا تھا کہ فنکار روایتی انداز کی پیروی کرتے ہوئے بے سبب کسی مشکل سے دوچار ہو گیا ہو۔

اگرچہ فن نقاشی میں دو ابعاد نمائی' روایتی طرز عمل ہے جس کو نمایاں کرنے کے لئے اس کے ہم نظیر روشنی و سائے کے وسیع پس منظر کو قواعد کی رو سے مد نظر اور باہمی بستگی و برجستہ نمائی کو نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے۔ مگر ماہر فنکار اپنی صلاحیت کی بنا پر ہر چیز کو اپنی تخلیق میں شامل کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پر چیزوں کی دوری و نزدیکی ظاہر کرنے کے لئے ان کے درمیان حاشیوں کو متعین کرنا' جو چیزیں دور واقع ہیں انہیں تصویر کے بالائی حصے میں اور نزدیک کی چیزوں کو تصویر کے نچلے حصے میں پیش کرنا وغیرہ۔ بعض اوقات جو چیزیں دور تر واقع ہیں انہیں دوسری چیزوں کی نسبت زیادہ چھوٹا بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جن میں باغ' گھر کا صحن' حوض اور تالاب وغیرہ جیسے مناظر کو نقاش بلندی پر سے اس طرح دیکھتا ہے گویا وہ ان سب پر طائرانہ نظر ڈال رہا ہے۔ بعض تجربہ کار فنکاروں نے تو اس نکتے کو یاد کر لیا کہ وہ کس طرح اپنے موضوع کو مختلف زاویوں سے پیش کریں۔ مگر وہ فنکار جن کا ذہنی رجحان تین ابعادی تصاویر کی جانب زیادہ مائل تھا انہوں نے ہر چیز کو جس میں ذی روح اور غیر ذی

روح اشیاء تک شامل تھیں مناسب جگہ پر قرار رکھا تاکہ ہر چیز ان میں مشخص و نمایاں صورت میں پیش کی جاسکے۔

ایرانی نقاشی کے شیدائیوں نے منقش تصاویر کی لطافت اور رنگ آمیزی میں دقت نظر کی جانب اشارہ کیا ہے وہ کیفیت جس سے خاص طور پر ان کی نظریں پردۂ نقاشی کی ان گہری اور چمکدار سطحوں سے مانوس ہیں جو اس کی زمین پر بنائی جاتی ہیں ان کے لئے خاص کشش کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن ایرانی تخلیق پسند فنکاروں کی توجہ تختۂ نقاشی کی رنگین سطحوں سے بالاتر ان رنگوں کی جانب ہوتی ہے جن کی آمیزش وہ دقت نظر اور تند و تیز حاشیوں کی آرائش بہت زیادہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ وہ اس پوری تخلیق کو رنگ آمیز تشکیل کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور بعض اوقات دو یا تین رنگوں کے امتزاج سے ہیجان انگیز رنگین لوح تیار کرلیتے تھے۔ اور کبھی ایک ہی تصویر پر دس نہیں ایک ہی رنگ کی نظر آتی تھیں۔ چنانچہ یہ مجموعہ نہ صرف پوری تخلیق کو حسین بنانے میں اثر انداز ہوتا تھا بلکہ مستقل طور پر بھی دلکش و قابل ستائش ہے۔ اس کی مثال اس آواز کی سی ہے جو دوسری آوازوں کے ساتھ مل کر اثر انگیز ہونے کے علاوہ خود بھی علیحدہ طور پر سامع پر وجد کی کیفیت طاری کردے۔

ہمارے فنکار رنگوں کے انتخاب اور ان کی تنظیم میں دیگر مقاصد جیسے خاص ذہنی تاثر و کیفیت پیدا کرنے کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔ تحریک انگیز جو ہر رنگ کے پراگندہ و منتشر نقوش دیکھنے والے ذہن پر میدان کارزار کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ گہرے سرخ اور اودے رنگ سے دیکھتے ہی عاشقانہ احساس اور رات کی سیاہی کے تاثرات ابھرتے ہیں۔ اسی طرح گہرے سرخ، نارنجی، بنفشی اور گندھک جیسے زرد رنگوں کے امتزاج سے غیر معمولی جاہ و جلال کی کیفیت دیکھنے والے پر طاری ہوتی ہے۔

وہ روایتی مصوری جس میں کسی فنکار کا دل خالص و درخشاں رنگوں کا شیدائی نظر آتا ہے 'اس میں وہ عملی طور پر ہر قسم کی تجسم نمائی سے گریز کرتا ہے۔ اس کیفیت میں دن اور رات جیسے سادہ و عام موضوعات کی منظر کشی بھی اس کے لئے دشوار مرحلہ بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں فنکار نقاش عام طور پر سنہری یا نیلی شفاف افق کا سہارا لیتے تھے۔ بعض اوقات وہ اپنی تخلیق میں روشن و تابناک خورشید کا بھی اضافہ کردیا کرتے تھے۔مشعل' شمع یا چاند کی روشنی رات کا منظر پیش کرتی تھی۔ اس کے علاوہ بعض نقاش گہرے رنگوں کے امتزاج سے بھی صفحات کو رنگین کرکے فضائے شب کی منظر کشی کیا کرتے تھے۔ بعض مناظر اس امر کے بھی مقتضی ہوتے تھے کہ انہیں خصوصی انداز میں پیش کیا جائے۔ مثلاً طوفان' برفباری اور برف پاشی کے مناظر ظاہر کرنے کے لئے سفید رنگ والے سطح تصویر کے منقش پردے پر نمایاں کئے جاتے تھے۔

رنگوں کو بعض خصائص اور واقعات کا مفہوم بیان کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً علم کا سبز رنگ کا فرقہ اس امر کی وضاحت کرتا تھا کہ صاحب علم یا فرقہ آل رسولؐ میں سے ہے یا خانۂ خدا کی زیارت کا شیدائی۔ صفوی خاندان کے کسی فرد کی دستار میں سرخ رنگ کی کلغی اس بات کی علامت تھی کہ اس کا تعلق سیاسی امور سے ہے۔ بعض دلاوران جنگ کو ہمیشہ رنگین یا رنگ برنگے منقش لباس میں دکھایا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر شیر کی کھال سے تیار کردہ ببر آستین رستم کی شخصیت کا جز تھی۔ اسی طرح اس کے "رخش" نامی گھوڑے کی چتی دار کھال سرخی مائل نارنجی رنگ کی منقش کی جاتی تھی۔

ایرانی منقش تصاویر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شاذ و نادر ہی دیکھنے والے کی نظر کو کسی ایک جگہ مرکوز کرتی ہو۔ ان تصاویر کی ترکیب بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ دیکھنے والا مجبور ہوتا ہے کہ وہ پورے موضوع کو سرسری نظر سے نہ دیکھے بلکہ وہ رنگوں اور شکلوں کے باہمی امتزاج میں اس ترنم کو بھی مدنظر رکھے جو اس میں کارفرما ہیں۔ بعض تصاویر تو ایسی

ہوتی ہیں جن کا اثر دیکھنے والے پر بس وقتی ہوتا ہے اور وہ اپنا پیغام مؤثر طریقے پر دیکھنے والے تک پہونچا دیتی ہیں۔ لیکن بعض تصاویر ایسی بھی ہوتی ہیں جو نظر کو ایک عنصر سے دوسرے عنصر کی جانب مائل کرتی ہیں۔ اب کسی شاہزادہ اور شاہزادی کی تصویر کو ہی لے لیجئے' اس میں اس کے تاج کی جانب دیکھئے جس پر سلامی دار نقوش ہیں۔ ان پھولوں کے بارے میں غور

کیجئے جو اس کے آس پاس کھلے ہوئے ہیں۔ اس مرغزار پر نظر ڈالئے جس میں حسین و دلکش پھولوں کی ڈالیاں ہیں' بل کھاتی ہوئی نہر چلی جارہی ہے یا کوئی چٹان ہے جس پر جگہ جگہ شگاف ہیں۔ یہ وہ دلچسپ نقوش ہیں جو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ اگر اتنا وقت نہیں کہ انہیں دقت نظر سے دیکھا جائے تو کم از کم ان پر سرسری نظر ڈال ہی لینی چاہئے۔

ایرانی فن نقاشی میں فن خطاطی کا خاص مقام ہے۔ یہ کبھی یکساں و یکنواخت اور دقیق نظر آتا ہے کبھی بندشوں سے آزاد' رواں اور قطعی بے ساختہ۔ فن خطاطی کی ملاحت و لطافت اور نقش و نگار کی طرح اندازی میں بہت نزدیکی اور گہرا رشتہ ہے۔ اسلامی ممالک میں فن خطاطی کو مغربی ممالک کی نسبت زیادہ نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ ایسی ذی روح چیزوں کی منظر نگاری جن کے دیکھنے سے کراہت و بے رغبتی پیدا ہو اسلامی نظریہ کی رو سے اس امر کا باعث ہوئی کہ ان ممالک میں ان مناظر کو پیش کرنے کے لئے جن کی تصویر کشی نہیں کی جاسکتی تجسمی فن کا سہارا لیا جائے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ سفالین ظروف' پارچہ جات اور جواہر کی زیب و زینت کے لئے خوشنویسی کو اصل ترین عنصر کے طور پر شامل کرلیا گیا۔ چنانچہ آیات قرآن مجید کو امتیازی خصوصیت کے لئے نہایت موزوں تصور کیا گیا اور اسی لئے بعض آیات عقیدت' دقت نظر اور دلچسپی کے ساتھ حسین و دلکش خط میں نقش کی جانے لگیں۔

دین اسلام کے تحت اثر فن نقاشی نے جو مزید پیش قدمی کی اس میں خاص قسم کی طرز آرائش و زینت قابل ذکر ہے جس کی تشکیل سبزہ و گل اور برگ و بار سے کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سلامی دار شکلوں نے بھی ایرانی فن نقاشی پر اپنے اثرات قائم کئے ہیں۔ چنانچہ اس کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایرانی فن نقاشی نے خود ہی اپنے عالم کی تخلیق کی ہے اور اسے سلامی دار شکلوں کے ذریعے ہی منظر عام پر پیش کیا ہے۔ اس پُر شکوہ طرز تزئین کاری نے اپنی زندگی سے بھرپور تار و پود اور نرم رفتار منحنی خطوط کے ذریعے بہت سی ایرانی نقاشی کی تخلیقات کو اپنے زیر دامن سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ مجموعی طور پر اس آمیزش میں درخت' انسانی پیکر' ان کے چہرے' زلفیں' کاکل' پرندے وغیرہ شامل ہیں۔ ان مناظر میں پتے ہوا سے لہراتے ہیں' سارس اپنے پروں کو پرواز کے لئے جنبش دیتے ہیں۔

دلاوران جنگجو اپنی پیکانوں سے نشانے باندھتے ہیں۔

.... اور یہ سب سلامی دار مناظر ان نقوش کو حرکت و حیات بخشتے ہیں۔

اگرچہ سرکار اور ابداع پسند فنکار نقاش ہر چند عجیب و غریب شخصیتوں کی نقش کشی اور نفسیاتی اعتبار سے طمانیت بخش تصاویر پیش کرتے ہیں مگر اس کے باوجود روایتی اقدار سے بھی گریز نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر عہد شاہ طہماسب صفوی کے مصور شاہنامہ فردوسی کو ہی لے لیجئے۔ اس میں بعض شخصیتیں شناسا ہیں اور ان کی حرکات و سکنات کو جس طریقے سے پیش کیا گیا ہے وہ قدیم روایات کے عین مطابق ہیں۔ مغربی تمدن میں انگشت شہادت کو لبوں پر رکھنے سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ مخاطب شخص خاموش رہے مگر ایرانی تمدن میں یہ تعجب و حیرت کی علامت ہے۔ اسی طرح کانوں پر ہاتھ رکھ لینا اس مفہوم میں نہیں کہ سننے والا شور و غل سے پریشان ہو کر اپنے کان بند کرے بلکہ مشرق میں اسے تہ دل سے احترام کی علامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شخصیت پردازی بہت سے امور عام میں بلکہ عالمی چیز ہے۔ اور اسے آسانی سے درک بھی کیا جاسکتا ہے۔ مردانہ وجاہت و دلاوری کو سرو کے قالب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس نسوانی حسن کو ایسی بیل کی شکل دی جاتی ہے جس کے آس پاس سرخ و گلابی پھول اگے ہوئے ہیں اور یہ بیل تنہ سرو کے نزدیک ہی پروان چڑھتی نظر آتی ہے۔ دونوں کے چہرے ماہ کامل کی مانند گردبنائے جاتے ہیں۔ زاہد و رتاض اشخاص کی داڑھی اور سر کے بالوں کی رنگت سفید دکھائی جاتی ہے وہ خاموشی کے ساتھ احتیاط سے حالت ریاضت و سلوک میں نظر آتے ہیں۔ جنگجو پہلوانوں کے جسم فربہ، تنومند اور مضبوط دکھائے جاتے ہیں جن کے ساتھ مؤدب نوجوان خدمت گار بھی ہوتا ہے۔ کسانوں اور چرواہوں کو سادہ لوح انسانوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کی وضع و قطع سے ایسا لگتا ہے کہ انہیں اپنے جانوروں کے باڑوں سے آگے دنیا کا کچھ حال ہی معلوم نہیں۔ لیکن اپنے کردار میں نہایت ہی صادق و امین۔ شیر 'دیو' جادوگر اور بھوت پریت وغیرہ کو ایسی شرمناک حالت میں پیش کیا جاتا ہے جنہیں دیکھ کر انسانی غیرت و حمیت جوش مارتی ہے۔ جن انسانوں کا اس وحشتناک مخلوق سے مقابلہ ہوتا ہے تو صفحہ نقاشی پر ان کا خون بھی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کی آن بان پردہ نقاشی کی دیگر شخصیتوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔

ایرانی نقاشی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فن خیال انگیز اور لذت پسند ہے امر واقعی یہ ہے کہ ایرانی نقاشی اس چند ابعادی تمدن کا حسین جز ہے جس کی تکمیل اور ظہور پذیری کے لئے تمام امکانات مہیا کردئیے گئے ہیں۔ یہ فن درحقیقت زمینی و آرائشی اور دل پذیر و نظر فریب ہے۔ لیکن شاہنامہ فردوسی کا وہ مجموعہ جو شاہ طہماسب صفوی کے عہد حکومت میں تیار کیا گیا تھا وہ اپنے دور کے جوانوں کے اغراض و مقاصد کو متعین کرنے کے ساتھ ہی تدریسی پہلو کا بھی حامل ہے۔ اس مجموعے میں جو حکایات بیان کی گئی ہیں وہ اس قوم کے تمدن کی نمائندگی کرتی ہیں جہاں ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ مجموعہ ایک سیاسی و تاریخی متن کی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک مذہبی رسالہ بھی ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ یہ ایک قوم کی جان و جسم، قوت فکر و شہود کا ثمرہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ نقاشی کے شہ پارے ایسی معتبر سند ہیں جن کے ذریعے ہمیں شاہ طہماسب صفوی کے درباری آداب و رسومات کی مکمل اطلاعات حاصل ہوتی ہیں۔

ایرانی نقاشی میں مذہبی عناصر:

عالم اسلام اور مسیحیت میں روایتی فرق پایا جاتا ہے اس کی بنا پر غالباً مذہبی عناصر کی جانب کم توجہ دی گئی ہے۔ مغرب میں مذہبی مؤسسات کی تشکیل گزشتہ چند سال کے دوران ہی ہوئی ہے اسی وجہ سے فنکاروں کے اصل مراکز کی جانب سے فن اور فنکاروں کی حمایت بھی ان ہی کی مرہون منت ہے۔ مسیحیت میں جس چیز کو فن کہا جاتا ہے اس میں دینی واقعات کی تصویر کشی بھی شامل ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ کی مصلوب حالت، حضرت مریم کو حضرت جبریلؑ کی جانب سے فرزند کی خوشخبری اور پیغمبری اور پیغمبران مقدس ودیگر ہستیوں کے نورانی چہرے جیسی منقش تصاویر وغیرہ۔ ان مناظر سے فضائے کلیسا، ذاتی مکانات اور شاہی محلات کی زینت و آرائش کی جاتی تھی۔ لیکن اسلام میں مذہبی فنکاری کے اس پہلو کی جانب بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ قرآن مجید کے صفحات کو تصاویر کے ذریعے کبھی منقش نہیں کیا گیا۔ مساجد کی دیواریں مذہبی یا غیر مذہبی تصاویر کے ذریعے ہرگز آراستہ نہیں کی گئیں۔ یہ درست ہے کہ اسلام میں دینی شخصیتوں کی چہرہ پردازی و پیکر سازی کے لئے میدان ہموار نہیں کیا گیا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مذہبی فنکاری کا عالم اسلام میں وجود ہی نہ تھا۔ البتہ بعض ایسی کتابوں میں تصویر کشی کی گئی ہے جن کا تعلق علوم دین، بزرگان دین کی سوانح حیات اور مقامات مقدسہ وغیرہ سے ہے۔ لیکن ایسی تصاویر شاذ و نادر ہی ملیں گی جو مغربی تمدن کا جز ہیں۔ اور ان کا شمار مذہبی نقاشی کے شہ پاروں میں ہوتا ہے۔ البتہ فن نقاشی سے زیادہ فن شاعری کے ذریعے بزرگان دین کے کردار کی پیکر سازی تو متخیلہ کو بروئے کار لا کر کی گئی ہے۔ شعر و ادب کی ایسی کتابوں میں خمسۂ نظامی گنجوی یہاں قابل ذکر ہے۔ اس نامور شاعر نے معراج پیغمبر اکرمؐ کی الفاظ کے ذریعے جو پیکر سازی کی ہے وہ بہت سے فارسی شعراء کے لئے بعد میں نمونے کی حیثیت اختیار کر گئی۔

یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی تمدن میں مذہبی نقاشی مغرب کی طرح چہرہ پردازی تک ہی محدود و مرکوز ہے۔ چنانچہ اس امر میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ چہرے پر روحانی کیفیت کو نمایاں کیا جائے۔ اگر فن کار کی طبیعت میں مذہبی عنصر کار فرما ہو تو یہ کیفیت اس کے فن میں منعکس ہو ہی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سلطان محمد فنکار کی تخلیق دربار کیورث کو ہی لے لیجئے جس میں ایران کے سب سے پہلے بادشاہ کو منقش تصویر کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اگر اس پر سرسری نظر ہی ڈالی جائے تو یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اس تصویر میں اس بادشاہ کی تصویر کے علاوہ اور بھی ایسے بہت سے عناصر پنہاں ہیں جن کی داد صاحب نظر فنکار ہی دے سکتے ہیں۔

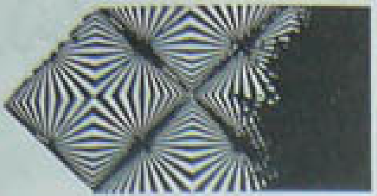

خواتین اور عالمی ذرائع ابلاغ

ایشیا اور اقیانوسی

ذرائع ابلاغ میں

عورت کی شخصیت پر ایک نظر

آج ذرائع ابلاغ ہی ایسے قوی ترین آلات ہیں جن سے افکار کی طرح ریزی و ترویج کی جاسکتی ہے۔ یہی وہ مفید ترین وسائل ہیں جنہیں تمدنوں کے فروغ کے لئے بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور انہی طریقوں سے معاشرے کے قلب کی گہرائی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ "ذرائع ابلاغ" اب ایسی اصطلاح بن گئی ہے جو بہت سے اجتماعی مباحث کا عنوان ہے اور ان مباحثوں میں "عورت و ذرائع ابلاغ" بھی ایسا ہی اصل ترین موضوع ہے جو گزشتہ تقریباً دس سال سے متفکرین اور ماہرین معاشرہ بالخصوص ان لوگوں کی گفتگو کا مرکز بنا ہوا ہے جنہیں خواتین کے مسائل میں متخصص کہا جاتا ہے۔

امر واقعی یہ ہے کہ عورت کی شخصیت و تصویر کو پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ اور عوام میں اس طرح گرا کر پیش کیا جارہا ہے کہ اب یہ تسلیم کیا جاچکا ہے کہ یہ عناصر عورت کی ترقی کی راہ میں مانع ہیں۔ چنانچہ "عورت و ذرائع ابلاغ" شاید ان معدود موضوعات میں سے ایک ہے جن کا ذکر ان حلقوں میں مختلف نظریات سے کیا جاتا ہے جو عورتوں کے مسائل سے وابستہ ہیں اور جہاں ان کے بارے میں مشابہ و مشترک افکار و خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔

ماہرین معاشرہ کی یہ محکم رائے ہے کہ ذرائع ابلاغ کا ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں یہ خاصہ بن چکا ہے کہ وہ "خواتین کی انسانی قوت و توانائی" کو مستقل طور پر نظر انداز کئے جارہے ہیں اور انہوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ گویا زندگی کے مختلف میدانوں میں عورت کی حیثیت قطعی زبوں و ناتواں ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہے کہ عورت کو ایسی ہستی سمجھیں جس کے ظواہر سے فائدہ اٹھایا جائے اور معاشرے میں وہ یہی کردار ادا کرتی رہے۔ بالفاظ دیگر عورت گویا سامان تفریح اور جنسی ہوس کی تسکین کا آلہ ہے۔ اور یہ وہ خیال ہے جو تاریخی حقائق کے قطعی منافی ہے۔ اور اس تصور نے اس کی شخصیت کے انسانی پہلو کو حیات انسانی کے مختلف ادوار میں قطعی مخدوش بنائے رکھا ہے۔

ذرائع ابلاغ کی تمدن کے منافی یہ تحریک اپنے منفی اثرات سے انسانی تمدن و معاشرے کی وسعت و ترقی کو بری طرح تباہ کررہی ہے یہی نہیں بلکہ اس امر کا بھی امکان ہے کہ یہ اثرات بعض ممالک کی گمراہ حکمت عملی کی بنا پر انہیں غلط نظریات کو فروغ دیں اور ملک کی تیز رفتار ترقی کو سست کردیں اور ہم زندگی کے مختلف شعبوں بالخصوص ثقافت کے میدان میں قطعی پیچھے رہ جائیں۔

اس کے برعکس جب ہم عالمی سطح پر ذرائع ابلاغ کی مقبولیت کی جانب نگاہ ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مردوں کو طاقت و تخلیق کا مظہر بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ہر جگہ وہی داو شجاعت ولاپرواہی دیتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر ان ہی کی بالادستی کو اہمیت اور نفسیاتی اعتبار سے بھی انہیں ہی برتر تسلیم کیا جاتا ہے۔

ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کی اس کیفیت سے یہ نتائج اخذ کرکے صدائے احتجاج ہم ہی نے نہیں، جو کہ اسلامی واخلاقی اقدار کے پابند ہیں بلکہ دنیا کے دیگر مقامات پر بھی، اس کے خلاف تحریکیں پورے جوش وخروش سے اپنی آواز بلند کررہی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۹۲ء میں ایسی عریاں و فحش تصاویر نے جو کسی کارخانے کے اشتہاری پوسٹروں پر دکھائی گئی تھیں شہر میڈریڈ میں فتنہ برپا کردیا۔ اور اسپانیہ کی تنظیم خواتین نے اپنا اعلان جاری کرکے اس کارخانے سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ توہین آمیز پوسٹروں کو منظر عام سے ہٹائے۔ اس اعلان میں اشتہار بازوں کو اس

مری جانب بھی متوجہ کیا گیا کہ انہوں نے خواتین کو
ریان اور عیش سمجھ کر خواتین کی قدر و منزلت کو زک
پہنچائی ہے۔ اسپانیہ کے بنیادی قانون کی دفعہ ۳ کی
رو سے تجارتی اشتہار بازوں پر جو پابندیاں عائد کی گئی
ہیں ان کا حوالہ دیتے ہوئے خواتین کی اس تنظیم نے
کہا کہ اگر جنسی پوسٹر منظر عام سے نہیں ہٹائے گئے تو
اس تنظیم کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مذکورہ کمپنی کے
خلاف قانونی چارہ جوئی کرے۔

خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے جو جماعتیں بر
سر عمل ہیں ان میں سے ایک جماعت جاپانی خواتین کی
ہے جو قدیم عرصے سے بر سر پیکار ہے۔ یہ جماعت
بھی خواتین اور ذرائع ابلاغ کے مسئلے پر حرکت میں
آگئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء میں خواتین کی توہین
آمیز کی تصاویر کے بارے میں جو ذرائع ابلاغ کی
جانب سے تیار کرائی گئی تھیں تشویش ظاہر کی گئی۔
خواتین کی اس جماعت کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی
اور اب یہ پابندی لگادی گئی ہے کہ تیراکی کے مقامات
اور شراب کی بوتلوں پر اشتہار بازی کی غرض سے
خواتین کی عریاں و فحش تصاویر کو تجارتی فروغ کی
غرض سے استعمال نہ کیا جائے۔

فلپائن میں بھی خواتین کی فلپانیہ نامی جماعت
موجود ہے۔ جس نے خود پر یہ ذمہ داری لے رکھی ہے
کہ وہ اس امر کی نگرانی کرے کہ خواتین کی شخصیت کو
ذرائع ابلاغ میں کس طریقے سے پیش کیا جارہا ہے۔
اس سلسلے میں اس جماعت کو جو اطلاعات حاصل
ہوئی ہیں انہیں کتاب کی شکل میں شائع کردیا گیا ہے۔
اسی ملک میں ایک دستہ اور بھی ہے جس کا نام
"میڈیا واچ" ہے چنانچہ اس نے بھی ذرائع ابلاغ کی
نگرانی شروع کردی ہے۔ اور اب یہ کوشش کی جارہی
ہے کہ اس ملک کی مجلس قانون ساز ایسا قانون منظور
کرے جس کی رو سے خواتین کے کردار کو جنسی ہوس
کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔

اس واقعیت کی دوسری سند منطقہ ایشیا اور
اقیانوس کی وہ کانفرنس ہے جو ۱۹۹۴ء میں "عورت اور
ترقی" کے تحت عنوان جکارتہ میں منعقد ہوئی تھی۔ اور
یہ اس دعوے کی دیگر گواہ ہے کہ "عورت اور ذرائع
ابلاغ" کا مسئلہ عالمی سطح پر بحران کی شکل میں منظر عام
پر آگیا ہے اور یہ بحران اس امر کی دلیل ہے کہ ذرائع
ابلاغ اخلاقی اور انسانی اقدار کو قطعی نظر انداز کررہے
ہیں۔

اس سند میں مختلف ذرائع ابلاغ اور ان خواتین
کے کردار کی جانب توجہ دی گئی ہے جو ان ذرائع ابلاغ
میں کام کرتی ہیں۔ چنانچہ ان منفعت خور اداروں کی
جانب اشارہ کرتے ہوئے جن کا تعلق ذرائع ابلاغ
بالخصوص مصنوعی اقمار کے تار و پود سے ہے' کیا گیا
کہ:

۱۹۸۰ء کے اواخر سے ۱۹۹۱ء کے اوائل تک
منطقہ ایشا اور اقیانوس میں نہایت تیز رفتاری سے
مصنوعی اقمار کے ذریعے رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ
پالا پا انڈونیشیا میں 'ایسو سی ایٹ ہانگ کانگ میں' انی
شیٹ ہندوستان میں اور بی۔ ایس۔ جاپان میں قائم کئے
گئے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ عرصے کو آغاز رابطہ اقمار
مصنوعی عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ نیز یہ سلسلہ ابھی
جاری ہے اور تھائی لینڈ میں تیا کم' ملیشیا میں ایسو سیٹ'
ہانگ کانگ میں اپ اسٹار اور پاکستان میں بدر اپنا کام
جاری کئے ہوئے ہیں۔ مصنوعی اقمار کی سریع توسیع
اور نظام ارتباط میں اس کی کار آمدگی نے بہت سے
ممالک کے نظام اطلاعات وارتباط میں نمایاں تبدیلی
پیدا کردی ہے۔ چنانچہ یہ توسیع و تیز رفتاری ان تین
محوروں پر گردش کررہی ہے:

۱۔ ذرائع ارتباط میں بے نظمی۔

۲۔ ان ذرائع کی ضابطگی جنھیں خصوصی شعبوں کے
دست اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

۳۔ اطلاعاتی منابع کی افزائش یعنی چند گنا چینل۔

نظریاتی اعتبار سے اطلاعاتی منابع کی افزائش
پسندیدہ اقدام ہے۔ کیونکہ اسے آزادی انتخاب سے
تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت بالکل مختلف ہے۔
کیونکہ توقع یہ کی جاتی ہے کہ جو اطلاعات ہمیں حاصل
ہوں ان میں تنوع برقرار رہے، درحالیکہ سب میں ہی

نظریاتی اعتبار سے اطلاعاتی منابع کی افزائش پسندیدہ اقدام ہے۔
کیونکہ اسے آزادی انتخاب سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حقیقت بالکل مختلف ہے۔
کیونکہ توقع یہ کی جاتی ہے کہ جو اطلاعات ہمیں حاصل ہوں ان میں
تنوع برقرار رہے، درحالیکہ سب میں ہی
یکسانیت پائی جاتی ہے۔

یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ نرم اوزاروں کی تولید و توسیع کے بجائے سخت اوزاروں کی تولید پر تاکید کے ساتھ توجہ دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہانگ کانگ میں قائم اسٹار ٹی وی پورے منطقہ ایشیا اور اقیانوس میں جاپانی' امریکی' انگریزی' ہانگ کانگ کی اور جمہوری کوریا کی بڑی بڑی کمپنیوں کی دلچسپی کا باعث ہے تاکہ ان کی فروعات و تولیدات کو اس وسیلے سے پیش کر سکے۔ یا بالفاظ دیگر منطقہ ایشیا اور اقیانوس میں اس قسم کی کمپنیوں کے لئے ایسا حساس علاقہ بن گیا ہے جس کے ذریعے دنیا کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس وقت یہ علاقہ بہت بارونق اور سرگرم عمل منڈی بنا ہوا ہے۔

نصف آبادی پر مشتمل ہے۔ اس کے سارے پروگرام اس آمدنی سے چلتے ہیں جو سونی یا کوکا کولا کمپنی کے اشتہارات سے وصول ہوتی ہے۔ اس چینل پر جتنے بھی تفریحی' ورزشی اور موسیقی کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں وہ سب امریکہ میں تیار ہوتے ہیں' اس چینل کے پہلو بہ پہلو بی بی سی کے چینل بھی چوبیس گھنٹے چلتے رہتے ہیں اور خبریں نشر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ منطقہ ایشیاء اور اقیانوس میں ذرائع ابلاغ کی عالمگیری روز افزوں ہے۔ اور یہ نزدیکی تعلقات اس منطقے کے اقتصادی حالات کی عالمگیری کا سبب ہیں یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ ذرائع ابلاغ کی عالمگیری کمزور اقتصادی حالات اور زبوں سیاست کے پس منظر میں عوام کے نزدیک کس

عالمگیر ہو جانے کے مفہوم میں دنیا کے تمام افراد یکساں طور پر شریک نہیں چنانچہ چینل CNN اور BCC کے عالمگیر ہو جانے کا مقصد میرے اور بچوں کے لئے یہ ہے کہ جنسی ہیجانات کو پست ترین طریقے سے نشر کیا جائے۔ یعنی جب وہ عورت اور مرد کی تعریف بیان کریں تو ان کے اچھے اور برے افعال کا مظاہرہ بھی کریں۔ بالفاظ دیگر بچوں میں اس چیز کی جانب رغبت پیدا کرنا جسے پیش کر کے یہ کمپنیاں اسے فروخت کرنا چاہتی ہیں۔ گویا وسیع پیمانے پر ہر سمت و جانب خاص تمدن کی یورش۔

مذکورہ بالا مضمون کے دوسرے حصے میں "خشونت کی وجہ" کے زیر عنوان بیان کیا گیا ہے کہ:

ذرائع ابلاغ میں شجاعت و دلاوری کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں مرد کی اقتدار کو مزید تقویت ملتی ہے۔ ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے جو پیغام دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خشونت کو فروغ دیا جائے اور جنسی ہیجان میں تیزی و تندی پیدا کی جائے۔ مرد کی ذات وہ شخصیت ہے جو خواتین کا تحفظ و دفاع کرتی ہے اس کے برعکس خواتین کی حیثیت ایسی کمزور شخصیت ہے جس کا انحصار دوسروں کے رحم و کرم پر ہے۔ چنانچہ جو کچھ امریکہ میں فلموں کے ذریعے دکھایا جاتا ہے انہی عناصر کا فریفتہ ایشیائی نوجوانوں کو کیا جا رہا ہے۔

> ان فلموں میں خواتین کو کمزور و ناتواں' دوسروں پر منحصر اور جنسی ہوس کی تسکین کا ذریعہ بنا کر منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ یہ بات دیہاتی علاقوں میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ شری لنکا میں تو اس قسم کے پروگراموں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا ہے۔ اب وہاں کی خواتین کا مطالبہ ہے کہ جو مناظر ان فلموں میں پیش کئے جا رہے ہیں انہیں اصولی طور پر تسلیم کر لینا چاہئے اور کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

اسٹار ٹی وی نے اپنے پروگرام ۱۹۹۰ء سے نشر کرنا شروع کئے۔ جن کے لئے یہ امریکہ میں تیار کردہ مصنوعی قمر ایسوی ایٹ کا استعمال کرتا ہے یہ پانچ چینل پر اپنا پروگرام انگریزی زبان میں نشر کرتا ہے۔ یہ چینل اوسطاً اڑتالیس ملکوں اور تقریباً دو ارب ستر کروڑ افراد پر احاطہ کئے ہوئے ہے جو تقریباً دنیا کی

اہمیت کی حامل ہو سکتی ہے۔

کرل بھسین کا شمار ہندوستان کی ان نامور شخصیتوں میں سے ہوتا ہے جنہیں خواتین کے مسائل سے خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ وہ خواتین کے مسائل اور ذرائع ابلاغ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

قابل افسوس بات یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کے

اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ: الف: ذرائع ابلاغ میں رائج ترین اور سنجیدہ ترین شکل یہ ہے کہ جب عورتوں کی تصاویر کو پیش کیا جاتا ہے تو اس میں اس بات کی خاص طور پر تشہیر کی جاتی ہے کہ عورت گویا جنسی ہوس کا ساز و سامان ہے۔ یہ مسئلہ ایشیاء اور اقیانوس کے تمام ممالک میں بالخصوص

گذشتہ دس سال سے مسلسل چلا آرہا ہے اور روز بروز ترقی پر ہے۔ چنانچہ ان میں جتنا زیادہ عنصر اشتہار بازی اور تشہیر کا شامل ہوگا اتنا ہی زیادہ اس عنوان کو رواج دیا جائے گا۔

بہت سے ایشیائی ممالک اس بات کے خواہشمند ہیں کہ وہ فلمیں جو مغرب بالخصوص امریکہ میں بنائی جاتی ہیں' ان کی اپنے ملکوں میں درآمد کریں۔ کیونکہ یہ فلمیں ان پروگراموں سے کہیں زیادہ کم قیمت پر دستیاب ہو جاتی ہیں جنہیں وہ اپنے ممالک میں تیار کرتے ہیں۔ یہ پروگرام نہ صرف مغربی تمدن کی جانب لوگوں کو راغب کر رہا ہے بلکہ ان میں ایسی طرز زندگی کو پیش کیا جارہا ہے جس میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

چنانچہ ملیشیاء میں ''ڈلاس'' اور ''اسرار'' جیسے پروگرام پیش کئے گئے ہیں جن میں عورتوں کا کردار منفی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور یہی کردار ان پروگراموں کے لئے مثالی بن گئے ہیں جو اندرون ملک تیار کئے جاتے ہیں اور یہی وہ مسئلہ ہے جو ایشیائی اور مغرب ممالک میں مختلف نوعیت کا ہے۔

اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ: ان ذرائع ابلاغ میں رائج ترین اور سنجیدہ ترین شکل یہ ہے کہ جب عورتوں کی تصاویر کو پیش کیا جاتا ہے تو اس میں اس بات کی خاص طور پر تشہیر کی جاتی ہے کہ عورت گویا جنسی ہوس کا ساز و سامان ہے۔

اس کے علاوہ چین' ہانگ کانگ اور ہندستان میں جو فلمیں تیار کی جا رہی ہیں ان میں خواتین فنکاروں کو پست کرداروں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ وہ مناظر ہیں جو سو فی صد تماشائیوں کو اپنی جانب مائل کرتے ہیں۔ ان فلموں میں خواتین کو کمزور و ناتواں' دوسروں پر منحصر اور جنسی ہوس کی تسکین کا ذریعہ بنا کر منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ یہ بات دیہاتی علاقوں میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ سری لنکا میں تو اس قسم کے پروگراموں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا ہے۔ اب وہاں کی خواتین کا مطالبہ ہے کہ جو مناظر ان فلموں میں پیش کئے جا رہے ہیں انہیں اصولی طور پر تسلیم کر لینا چاہئے اور کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

جو فلمیں خاص مقاصد کے پیش نظر تیار کی جاتی ہیں ان میں زندگی کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے جو حقیقت سے کہیں دور ہوتی ہے۔ چنانچہ جن جدید اقدار کو ان تصاویر میں پیش کیا جاتا ہے ان میں فیشن کی چیزوں کی خاص طور پر نمائش کی جاتی ہے۔ گویا اس میں تجارتی فروغ کا پہلو بھی شامل ہے۔ یہ موضوع ان فلموں میں جو جاپان میں تیار کی جاتی ہیں' آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان فلموں کی داستان تو وہی روایتی ہوتی ہے لیکن جس انداز سے اس داستان کو پیش کیا جاتا ہے اس میں جدید طرز کو نمایاں دخل ہوتا ہے اور فیشن کی زندگی سے اس کی خاص مطابقت ہوتی ہے۔ اور جتنی زیادہ اس کی موسیقی جدید طرز کی ہوگی فلم کو اتنی ہی زیادہ مقبولیت حاصل ہوگی۔ مگر اس کے باوجود یہاں کے ذرائع ابلاغ میں خواتین اپنی روایتی زندگی کے پس منظر میں ہی فلمی پردے پر آتی ہیں تاکہ یہ محسوس ہو کہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

....

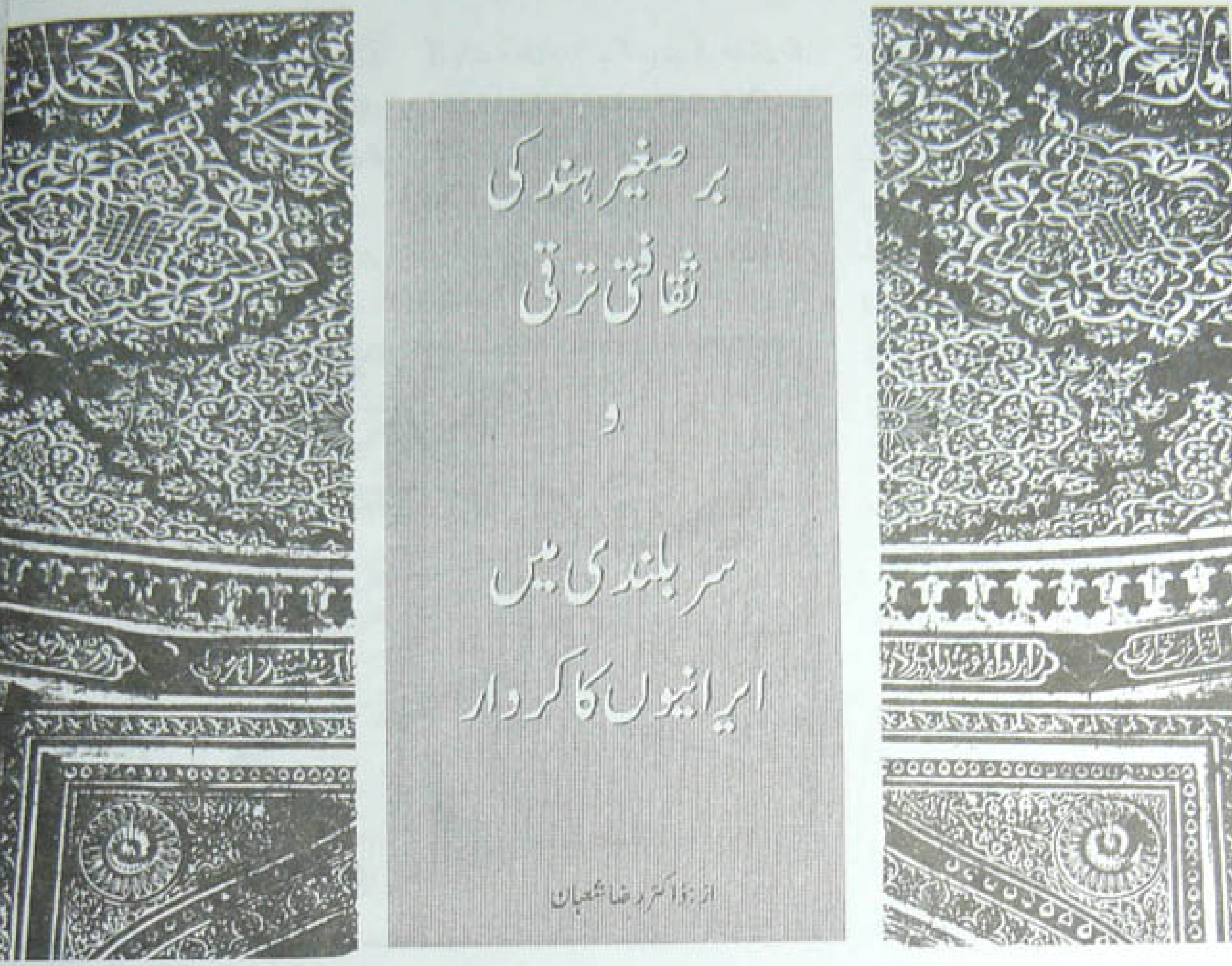

ہندستان اور ایران کے درمیان باہمی روابط کی تاریخ نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روابط کی قدامت کی تاریخ دونوں ملکوں کے عوام کی زندگی سے وابستہ ہے۔ مختلف النوع سماجی، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی شعبوں میں دونوں ممالک کے باہمی روابط کی بنیاد اتنی مستحکم ہے کہ آئندہ صدیوں میں بھی یہ تعلقات اسی طرح برقرار رہیں گے اور آپسی قربت و نزدیکی اور مختلف النوع مشترکات کی وجہ سے دونوں ملکوں کے لوگ ان دیرینہ روابط کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

اگرچہ یہ بات آج بھی واضح نہیں ہو سکی ہے کہ موہن جوداڑو اور دراویڈی جیسی ابتدائی انسانی تہذیبوں کا سرزمین ایران کے مختلف قدیم علاقوں مثلاً سیستان کے سوختہ شہروں، یاتل و ایلیین اور بالخصوص ایلام کی ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت کے ساتھ قربت و نزدیکی کے اسباب و عوامل کیا تھے لیکن سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں آباد قوموں اور ایران کے جنوبی، مرکزی اور مشرقی حصے کے لوگوں کے درمیان بہت سی چیزوں میں مشابہت دکھائی دیتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان روابط کی تاریخ، تاریخ سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دونوں اقوام کے درمیان موجود یہ مشابہت ماہرین آثار قدیمہ اور اقوام عالم کی تہذیب و ثقافت پر گہری نظر رکھنے والوں کو دعوت فکر و تحقیق دیتی ہے کہ شہر سازی کے میدان میں نیز مٹی کے برتنوں اور پتھروں کے استعمال کے سلسلے میں دونوں قوموں کے درمیان موجود مماثلت کا مزید تجزیہ کریں اور انھیں محض اتفاق یا توارد خیال نہ کریں۔

ماقبل تاریخ ادوار کے بعد واضح تاریخی زمانوں کے دوران یعنی مغربی اور جنوبی ایشیاء کے مختلف اہم

علاقوں میں آریائی قوم کی موجودگی میں ہندوستان اور ایران کے درمیان گہرے اور نزدیکی روابط کی نشاندہی ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں قوموں نے اس وسیع علاقے میں ان روابط کو پوری طرح محفوظ رکھا اور ملکی مسائل اور بعض تاریخی حوادث کی وجہ سے ان دونوں قوموں کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے لیکن ان اختلافات کا ان کے باہمی روابط پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا اور دونوں قوموں کے درمیان جو اچھے اور قریبی تعلقات قائم ہوئے ان کے بنیادی اصول وضوابط کم وبیش آج بھی محفوظ ہیں اور ان روابط کے اہم اور نمایاں حصوں کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قومی تعلقات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک بہت بڑے علاقے میں آباد قوموں کے درمیان غیر معمولی نزدیکی روابط موجود تھے چونکہ دونوں علاقوں یعنی سرزمین ہندو ایران میں آریائی عناصر کی اکثریت تھی لہذا علاقے کے وسیع حصے پر آریائی قوم کی حکومت تھی۔

۲۔ چونکہ تسلیم شدہ تاریخی سرحدوں کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا لہذا دریائے سندھ اور پنجاب کے کناروں تک لوگ مختلف حکومتی جماعتوں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور برصغیر ہند کے سلسلے میں یہ بات بذات خود اس وقت اور زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب ہمیں اس حقیقت کا اندازہ ہو جائے کہ آج بھی برصغیر کو ۸۰ فیصد صنعتی محصولات انہیں دریاؤں کے کناروں پر واقع صنعتی اداروں سے حاصل ہو رہی ہیں اور اس علاقے کے لوگ دیگر علاقوں کے نظم وانتظام میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳۔ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کو دریا پر غیر معمولی دسترس حاصل رہی ہے لہذا محض طویل و وسیع زمینی سرحدوں کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ دریائی راستوں کا استعمال کرتے ہوئے دونوں ممالک کے لوگوں نے آپسی اقتصادی اور ثقافتی روابط کی بھرپور حفاظت کی ہے اور اسے ہر ممکن فروغ عطا کرنے میں ہمہ تن سرگرم رہے ہیں۔

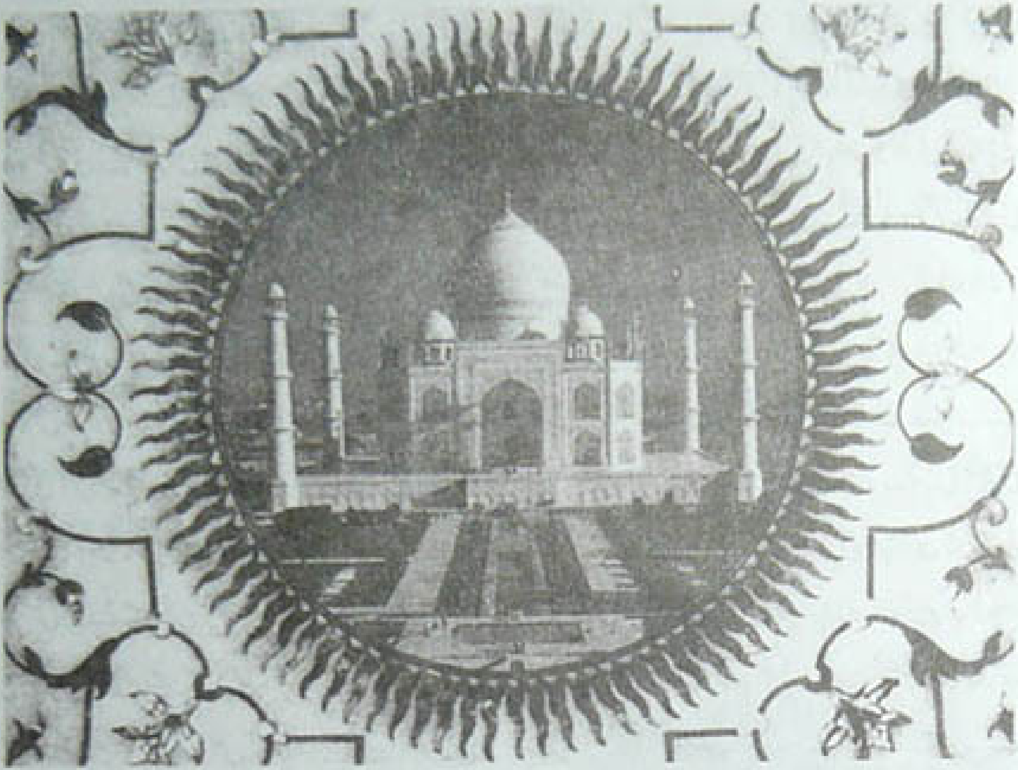

۴۔ باستانی سرچشمہ اور زبانی اشتراک کی وجہ سے دونوں ممالک کے لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دشواری نہیں تھی اور اس باہمی مذاکرہ وگفتگو کا انجام بہر حال سمجھوتہ کی صورت میں نمودار ہونا ایک فطری امر ہے لہذا مشترکہ الفاظ وکلمات اور مضامین وعبارات کی تخلیق کی زمین ہموار ہو گئی اور بالخصوص شاعری کے میدان میں، جس میں غیر معمولی جاذبیت ودلکشی پائی جاتی ہے، مشترکہ کلمات وموضوعات کے بیان کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

۵۔ ایران میں مذہب اسلام کی آمد کے بعد اس سرزمین میں غیر ایرانی حکومتوں بالخصوص دس صدیوں تک ترکوں، تاتاریوں، مغلوں، ازبکوں اور ترکموں کے اقتدار کی وجہ سے ایرانیوں نے ترک وطن کر کے برصغیر ہند کو اپنی اقامتگاہ بنانا شروع کر دیا تھا۔

۶۔ غیر ایرانی حکمرانوں کے غلبہ واقتدار کی وجہ سے ایران میں ثقافتی اور مذہبی اختلافات کافی بڑھ گئے تھے دوسری طرف ہندوستان میں اس زمانے میں اعتدال پسندی سے کام لیا جارہا تھا لہذا ایرانی علماء ودانشور برصغیر ہند کی جانب کھنچے چلے آرہے تھے۔

۷۔ ایران سے رونما ہونے والی سیاسی وفوجی طاقتوں (غزنوی، غوری، گورکانی، نادرشاہی اور درّانی) کے متعدد حملات اور چین کی سرحدوں کے اس پار سے ان کی دائمی حمایت کی وجہ سے حملہ آور جماعت پورے علاقے میں پھیل گئی تھی جس کے نتیجے میں فاتح اقوام کی زبان وثقافت نیز مذہب اسلام

کو غیر معمولی فروغ حاصل ہو گیا اور ہندوستانی قوم نے بھی ان کے مراسم اور طرز زندگی کا باقاعدہ استقبال بھی کیا۔

لیکن جو ایرانی برصغیر ہندوستان کی طرف سفر اختیار کر رہے تھے اور اپنی دائمی زندگی کے لئے اس عمدہ و خوشگوار علاقے کا انتخاب کر رہے تھے وہ کم وبیش مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل تھے:

الف: فطری اعتبار سے وہ لوگ اپنے معاشرہ کی نمایاں شخصیت ہوا کرتے تھے اور علم وفضل اور عقل ودانشمندی کے میدان میں انہیں یگانۂ روزگار تصور کیا جاتا تھا۔

ب: اسی طرح وہ لوگ غیر معمولی اخلاقی پونجی کے حامل تھے اور انہیں سماج کی نمایاں شخصیت کا درجہ بھی حاصل تھا اور ایسا محسوس کیا جاتا تھا کہ میزبان حکمراں ان کی اس صلاحیت کے بڑے قدر دان تھے اور وہ مناسب ومنہ مانگی قیمت ادا کر کے اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے میں فخر وکامیابی محسوس کیا کرتے تھے۔

ج: اس قسم کے یگانہ روزگار افراد ہندوستانی معاشرہ میں بلند مقام ومرتبہ حاصل کر لیا کرتے تھے اور انہیں سماجی اعتبار سے اہم رتبہ حاصل ہوا کرتا تھا۔ اس سے پہلے بھی ایرانیوں کو برصغیر ہند میں بلند سیاسی اور فوجی مناصب حاصل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی دربار حکومت میں ایرانیوں کی بڑی تعداد رہا کرتی تھی اور فارسی زبان ماہرین علم وفن کے لئے ہر طرح کی سماجی اور اقتصادی سہولت وضمانت حاصل تھی جس کی وجہ سے دیگر ایرانی علماء ودانشور بھی ہندوستان کی طرف مائل ہو جایا کرتے تھے۔

د: سرزمین ہند میں ایرانی ماہرین علم ودانش کے غیر معمولی استقبال کے ساتھ ان کی زبان کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع فراہم تھا اور فارسی زبان اپنی سادگی آسان قواعد 'موزونی کلام' سہولت آموزش 'انتقال مطلب کی استعداد اور غیر معمولی مقبولیت وجاذبیت کی وجہ سے نہ صرف خواص بلکہ اتنی بڑی آبادی والے ملک کے عوام کی زبان کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھی اور عام لوگ اس کو عام بول چال نیز سرکاری زبان کی حیثیت سے قبول کئے ہوئے تھے۔

واضح رہے کہ فارسی زبان کی ترویج ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر علاقوں میں لوگ اس بات کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ اہم اور یادگاری تصانیف اسی زبان میں لکھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی تصنیف سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ علماء وماہرین علم وادب فارسی میں تقریر کرنا زیادہ مناسب خیال کیا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کے بیانات سے خاطر خواہ متاثر اور لطف اندوز ہو سکیں۔ شرح مثنوی فارسی کے خاتمہ میں مندرجہ ذیل عبارت میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ "چونکہ زیادہ تر لوگ بنگالی زبان سے بخوبی واقف نہیں ہیں لہذا وہ اس داستان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے اس قصہ کو فارسی زبان میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ زیادہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔"[۱]

اس کتاب کے ناشر نے ۱۲۸۹ھ ق میں ڈھاکہ میں اس کتاب کو شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ زمانہ بنگالی مسلمانوں کا طلائی دور تھا لیکن زمانہ اس قدر بدل چکا ہے کہ اگر آج ان مؤلفین کی اولاد کو بنگالی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں کوئی خط ارسال کیا جائے تو وہ اس خط کا جواب نہیں دیتے۔"[۲]

ھ: فارسی زبان فقط ارباب حکومت یعنی سیاسی اور فوجی عہدیداروں کے درمیان رابطہ وواسطہ کی زبان نہ تھی بلکہ اس زبان نے مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا اور آج بھی برصغیر ہند کی ایک تہائی آبادی کا اسی مذہب سے سروکار ہے لہذا معاشرہ کے پڑھے لکھے لوگ فارسی زبان سے بخوبی وابستہ رہا کرتے۔ اس کے علاوہ بے شمار شواہد موجود ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صرف مسلمان مذہبی علماء ہی نہیں بلکہ ہندو مذہب کے نامور علمائے دین بھی اپنے عالمانہ فضل وکمال کو ظاہر کرنے کے لئے فارسی زبان میں غیر معمولی مہارت حاصل کرنا لازمی سمجھتے تھے اور یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فارسی سے ان کی گہری دلچسپی ان لوگوں کی عالمانہ صلاحیت ودانشمندی کی تشخیص کا ایک اہم معیار بن گئی تھی۔[۳]

ہم لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ گورکانی بادشاہوں کے دربار میں مختلف مذاہب کے علماء کی بڑی تعداد موجود تھی اور وہ لوگ بادشاہوں مثلاً اکبر اعظم کو اپنے مذہب کی قدیم روایات سے آگاہ رکھنے کے لئے نیز اپنے مذہب کی غیر اخلاقی اور سماجی تعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی مقدس مذہبی کتابوں مثلاً مہابھارت اور ویدوں کے فارسی ترجمہ میں ہمہ تن سرگرم رہا کرتے تھے۔

و: اس مقالے میں جن ادوار کو موضوع بحث قرار دیا گیا ہے اس میں تیمور لنگ کی اولاد نے ایک مدت تک ایران میں اور کافی لمبی مدت تک ہندوستان میں حکومت کی۔ بظاہر یہ حکمراں صوفی بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور صوفیاء کرام کی بھرپور حوصلہ افزائی کو اپنے لئے باعث فخر وافتخار خیال کرتے تھے لہذا حکمرانوں کے دور حکومت کو صوفی بزرگوں کی تحریک کی عظمت وبزرگی کا دور کہنا زیادہ

مناسب ہوگا کیونکہ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جس میں صوفی بزرگوں سے حکمراں طبقے کی غیر معمولی عقیدت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ دوسری طرف ایران میں خاندان صفویہ کی حکومت کی وجہ سے تصوف نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا تھا اور علماء شرع وبزرگان متصوفہ کے درمیان گزشتہ صدیوں سے جو اختلافات چلے آرہے تھے وہ بڑی ندرت کے ساتھ دہرائے جارہے تھے۔

اسی وجہ سے اصحاب شریعت اور ارباب طریقت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا قدرے دشوار ہے جبکہ ان بزرگوں کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔''[۲]

اس وضاحت کے بعد ایران کے نامور علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد کی ہندوستان کی طرف ہجرت اور ہندوستانی معاشرہ میں ان کی غیر معمولی مقبولیت کے اسباب وعوامل کا اجمالی تجزیہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:

آٹھویں صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ عظیم سیاسی' سماجی' اقتصادی اور ثقافتی دشواریوں کا زمانہ رہا ہے اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے مغلوں کے حملات کی وجہ سے ان پریشانیوں کی شروعات ہوگئی تھی اور اس سے قبل کہ ایرانی معاشرہ' ان اسلامی فوائد سے مالا مال ہوتا جس کے بارے میں آخری مغل بادشاہوں مثلاً محمود غازان' محمد خدابندہ اور ابو سعید بہادر خان نے فخر و مباہات کا اظہار کیا تھا' مغل اور تاتاری فوجی اور سیاسی شخصیتوں کے درمیان کشمکش کا سلسلہ شروع ہوگیا اور آخر کار نویں صدی ہجری کے اوائل میں تقریباً سو سال کے لئے تیمور لنگ کے جانشینوں کے لئے حالات کافی سازگار ہوگئے اور اس کے بعد کی صدیوں میں بھی ان کی حکومت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ شیخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی اور درحقیقت یہ ثابت کردیا کہ ان کی حکومت ملک ایران اور ایرانی عوام کے حق میں فائدہ مند رہی۔ اس زمانے میں ایسی اجنبی طاقتوں سے کنارہ کشی اختیار کی گئی جنہیں ایران کی اسلامی تہذیب کی بقا وحفاظت کے بجائے ظاہری مفاد و مصالح کی فکر زیادہ تھی چنانچہ یہ طاقتیں سرزمین ایران میں اسلامی تہذیب کی تبلیغ واشاعت کے لئے کسی طرح کی کوئی کوشش نہیں کرتی تھیں۔ بیرونی طاقتوں سے علیحدگی وبیزاری کی اس روش کو ملک کے مختلف علاقوں مثلاً مشرقی ایران اور خراسان میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔

جس وقت شاہ اسمٰعیل صفوی نے بڑی شان وشوکت اور شدت وگرمجوشی کے ساتھ ایران میں شیعہ حکومت کی بنیاد رکھی' جنوبی اور مرکزی ایران کے بہت سے لوگوں نے' جو پہلے بھی ہندستان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوچکے تھے' ہندستان کی طرح کوچ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ہندستان کے ان علاقوں میں سکونت پذیر ہوگئے جہاں علم دوست وادب پرور حکمرانوں کی حکومت قائم تھی اور انہیں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی اذیت وپریشانی کی کوئی امید نہ تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد سلطان صاحب قران کی دشمن کشی اور سخت گیری کا سلسلہ ختم ہوا اور شاہ عباس صفوی کے دور حکومت میں ماحول میں قدرے تبدیلی واقع ہوئی اور ایرانی عوام نے یہ دیکھا کہ ان کی حکومت معاشرہ کے سیاسی مفاد و مصالح اور سماج کے مختلف طبقوں اور قبیلوں کے درمیان وحدت ویگانگت کی خواہاں ہے۔

۹۳۲ھ میں پورے برصغیر ہندستان پر ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں مغل حکومت کی تشکیل ہوچکی تھی' اس حکومت نے سندھ' پنجاب' شمالی ہندستان' بنگال اور دکن کی ان تمام چھوٹی مسلمان

حکومتوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں شامل کر لیا جو تغلق بادشاہوں کی کمزوری اور تیمور لنگ کے حملوں کے دوران یعنی ۸۰۰ھ لغایت ۸۰۱ھ ایک آزاد اور خود مختار حکومت کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ چھوٹی مسلم ریاستوں کو مرکزی حکومت کا اہم اور اٹوٹ حصہ دار قرار دینے کے بعد' اس حکومت نے فارسی زبان کو ملک کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا چنانچہ فارسی زبان آخری مغل بادشاہ کے دور حکومت تک ہندوستان کی سرکاری زبان رہی۔ مغل بادشاہوں کی شعر دوستی اور ادب پروری کا چرچا عرصہ دراز سے ہر خاص و عام کی زبان پر رہا کرتا تھا لہٰذا شعر و ادب نے جلد ہی شاہی دربار میں اپنا ایک خصوصی مقام قائم کر لیا اور مختصر سی مدت میں یہ مغل حکومت گلبرگہ کے قدیم بہمنی خاندان' خاندیش کے فاروقی خاندان' کشمیر کے شاہی خاندان نیز عماد شاہی' عادل شاہی' نظام شاہی اور قطب شاہی نامی جدید حکومتی خاندانوں کی جانشین بن گئی۔

اس کے علاوہ مغل حکومت کی تشکیل سے قبل غزنوی حکومتوں کے دوران بھی دربار حکومت میں فارسی زبان افراد کی کثرت تھی اور یہ لوگ دربار حکومت میں اونچے عہدوں پر فائز تھے چونکہ یہ حکمراں ایران سے اس طرف گئے تھے اور ایرانی مشہور تھے لہٰذا سیاسی' فوجی اور درباری عہدوں کے لئے ایرانیوں کو ہی منتخب کیا کرتے تھے۔

دربار حکومت میں ان علماء مشائخ' شعراء وادباء' قصہ خوانان وافسانہ گویان' ندیمان و سخن سنجان کی کثیر تعداد میں موجودگی کی وجہ سے ان حکمرانوں کی حکومت کی رونق بڑھی ہوئی تھی اور لوگ دربار حکومت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا کرتے تھے اور دوسری طرف ان لوگوں کی ترقی و خوشحالی کو دیکھ کر سرزمین ایران کے دیگر ماہرین علم و ادب ہندوستان کی طرف راغب و مائل ہو رہے تھے اور صاحبان عقل و فراست کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا فطری تھا کہ ہندوستان میں انہیں زیادہ قدر و منزلت حاصل ہونے کی توقع ہے۔[5]

ہندوستان کی نامور شخصیتوں' نمایاں ہستیوں اور مقامی حکمرانوں کے درمیان ایسا کوئی نہ تھا جس کو فارسی زبان کی عظمت و بزرگی کا اندازہ نہ رہا ہو یا جس نے اپنے دربار سے وابستہ نامور شاعر کی شاگردی و پیروی میں شعر گوئی کے ذریعہ اپنے فضل و کمال کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔

"فخری حروی" نے اسے بہت سے ہندستانی بادشاہوں اور حکمرانوں مثلاً بورخان' ملک حسام الدین' ابوالحسن لالگاہ اور ملک خیر الدین نورانشاہ وغیرہ کا نام لیا ہے جو فارسی زبان میں شاعری کیا کرتے تھے۔ فخری نے ہر حکمراں شاعر کے حالات کے ساتھ ہی ساتھ' اس کی ایک یا چند غزلیں بطور نمونہ نقل کی ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو فارسی ادب سے غیر معمولی لگاؤ تھا لہٰذا وہ اس ادب کے فروغ کے لئے خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہروی کی اس تحقیقی کوشش سے اس حقیقت کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ نویں صدی ہجری سے لیکر دسویں صدی ہجری کے اوائل تک ان حکمرانوں نے پورے ہندستان میں فارسی زبان کی مکمل ترویج و اشاعت میں کیسی نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔[6]

مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف حوصلہ مند اسباب و عوامل کی موجودگی کی وجہ سے دسویں اور گیارھویں صدی ہجری کے دوران فارسی شاعری کے میدان میں ایک مخصوص شعری سبک و روش کی ایجاد ہوتی ہے جس کو سبک ہندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سبک صرف ہندستان ہی نہیں بلکہ ایران' ماوراء النہر اور ترکی کے فارسی شعراء کے درمیان بہت مقبول ہوا۔ فارسی شعر و ادب میں سبک ہندی کی مقبولیت کی اہم ترین وجہ ہندستان میں اس سبک میں شعر کہنے والے معتبر اور نمایاں شاعروں کی بہت بڑی تعداد کی موجودگی رہی ہے چیک سلواکیہ کا مشہور ادیب "جان ریپکا" لکھتا ہے کہ "عرفی' فیضی' فصیحی' شوکت' بیدل وغیرہ جیسے نامور شعراء کے زیر اثر سبک ہندی نے فارسی شاعری پر غلبہ حاصل کر لیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سبک ہندی کیا ہے؟ یہ ایسا سبک شاعری ہے جس نے تیموری دور کی بعض شعری خصوصیات کو قبول کر لیا جس کی مثال حافظ شیرازی اور ان کے ہمعصر شعراء کے کلام میں بلکہ ان سے پہلے کے فارسی شاعروں مثلاً امیر خسرو کے کلام میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے۔ قدماء کی شعری خصوصیات میں قدرے اضافہ کر کے اسے مخصوص اور پسندیدہ انداز بیان کی حیثیت سے پیش کر دیا گیا۔ یہ طرز شاعری بہت مقبول ہوا اور ہندستان میں اس کو مقبولیت عام حاصل ہو گئی لیکن اس حقیقت کا اعتراف لازمی ہے کہ سبک ہندی کے نامور شعراء ایران میں پیدا ہوئے اور اس طرز شاعری کو ہندوستان کے ساتھ ہی ساتھ ایران میں بھی یکساں فروغ حاصل ہوا اور ایرانی شاعروں نے اس فن میں اپنی استادانہ مہارت کے بہترین نمونے پیش کئے۔[7]

مذکورہ سبک کی وسعت و اشعار میں پیچیدہ الفاظ و معانی کو استعمال کرنے والے شاعروں کی

کثرت اور نکتہ پروازی میں ظرافت کو منزل کمال تک پہونچانے والے تحقیق کاروں کی تعداد میں اضافہ کا یہ سلسلہ عہد افشاریہ اور زندیہ کے اواسط تک جاری رہا۔ اس دور کی شاعری لفظی و معنوی ضاعت شعری سے پوری طرح مالامال تھی سبک عراقی و سبک خراسانی کے مقابلے میں اس زمانے میں ایران نے سبک ہندی میں لکھنے والے بے شمار شاعر پیدا کئے۔ ان کی تعداد گزشتہ ادبی ادوار سے بہت زیادہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس سبک کی ترویج کے ساتھ اس دور میں آقا حسین خوانساری اور امیر ابوالقاسم فندرسکی وغیرہ جیسے بہت سے ایسے شاعر بھی موجود تھے جنہیں قدما کے رنگ میں شعر کہنے میں خصوصی دلچسپی تھی لیکن محتشم، عرفی، فیضی، صائب تبریزی وغیرہ جیسے نامور اور نمایاں شاعروں کی موجودگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے کلام میں جاذبیت و پسندیدگی کی فراوانی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس دور و سبک کے بعض شاعروں کے کلام میں ذوق و حوصلہ کی کمی بھی دکھائی دیتی ہے لیکن مجموعی طور پر اس دور کی شاعری نے اپنی جاذبیت و دلکشی کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایرانی شاعروں اور ادیبوں نے اپنی قوم کی ثقافتی زندگی کے بہت بڑے حصے کو ہندستانی سلاطین اور دیگر مقامی حکمرانوں کے دربار میں منتقل کر دیا اور ان بڑے و نامور شاعروں کی ہم نشینی کی وجہ سے ہندو شاعروں کو بھی فارسی زبان سے غیر معمولی رغبت پیدا ہوگئی تھی لہذا ان لوگوں نے بھی اس زبان میں طبع آزمائی کی اور فقط شعر و شاعری ہی نہیں بلکہ نثر کے میدان میں بھی گرانقدر تصانیف پیش کیں ان میں سے درجہ اول کی ایسی شخصیتیں بھی ابھر کر سامنے آئیں جو ساری زندگی ہندستان میں رہتے ہوئے فارسی شعر و ادب کی خدمت میں سرگرم رہیں اور ان میں بعض لوگوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایران اور اس کے پڑوسی علاقوں میں بسر کیا۔

پس سبک ہندی میں دونوں ممالک میں رائج الفاظ و کلمات اور استعارات و کنایات کی آمیزش کا موجود ہونا ایک فطری بات ہے پس اگر سبک ہندی کو ہندستان اور ایران جیسی قدیم تہذیب و ثقافت کا

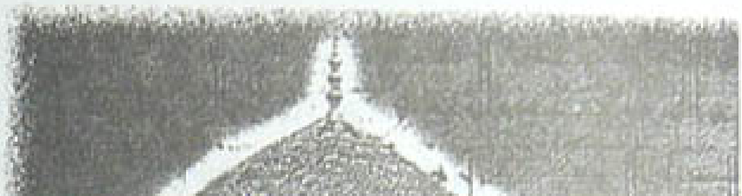

اس کے علاوہ مغل حکومت کی تشکیل سے قبل غزنوی حکومتوں کے دوران بھی فارسی زبان افراد کی کثرت تھی اور یہ لوگ دربار حکومت میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔

واضح رہے کہ فارسی زبان کی ترویج و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر علاقوں میں لوگ اس بات کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ اہم اور یادگاری تصانیف اسی زبان میں لکھیں تاکہ زیادہ لوگ ان کی تصنیف سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

ترجمان کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر چہ زبان وادب میں استعمال کئے گئے بعض مضامین نا آشنا معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی شاعر وادیب کے ذوق وحوصلہ اور صلاحیت واستعداد کا جلوہ کار فرما دکھائی دیتا ہے۔ ریپکا کا خیال ہے کہ "اس دور کے شعر وادب کا سابقہ ادب سے یہ اختلاف ہے کہ ماضی میں مضامین وخیالات کی تکرار کے باوجود جو ادبی سرمایہ دکھائی دیتا ہے وہ نہایت گرانقدر ہے اور اس کم مائیگی کو حقیقی زوال وانحطاط کی علامت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن دوسری طرف سبک عراقی وسبک خراسانی کی جانشینی حاصل کرنے والے اس نئے سبک میں اور زیادہ گہری کوشش کی گئی تو صفوی دور سے لیکر آج تک لوگوں کے نظریات پر کتری کا جو فیصلہ حکمفرما رہا ہے اس میں اس سبک کے حق میں سابقہ نظریات کی تبدیلی یقینی ہے۔"[5]

دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندستان میں اس سبک کا غیر معمولی رواج اس بلند ہمتی کی علامت ہے کہ لوگ مہربان پڑوسی ملک کو اپنی زندگی اور آزاد خیالی کی پناہ گاہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے اصلی ثقافتی مرکز سے دوری اختیار کئے ہوئے تھے پھر بھی در حقیقت یہ زنجیر کی ان کڑیوں کی مانند ہیں جنہوں نے ان علاقوں میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی سرگرم سماجی اور ادبی زندگی کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں کہ "صفوی دور کی شاعری کا مطالعہ اور اس کی تاریخ کا بیان سبک ہندی کے ان نامور بزرگوں کے احوال وآثار کی طرف رجوع کئے بغیر بالکل ناقص ہوگا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عہد میں فارسی شاعری کی ترقی کی بات تو کی جائے اور فیضی وبرہمن وغنیمت وبیدل جیسے دیگر نامور شعراء کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔"[9]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندستان میں ایران کے نامور مہاجر دانشمندوں نے صرف یہ کہ شعر وادب کے میدان میں بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کے چھوٹے بڑے درباروں میں ایسی نمایاں حیثیت حاصل کرلی کہ حکمراں طبقہ انہیں ہر قدم پر اپنے ساتھ رکھنے کے لئے مجبور تھا بلکہ سیاسی، فوجی، اقتصادی اور سماجی شعبوں میں بھی ان مہاجر ایرانیوں نے بلند مرتبہ حاصل کر رکھا تھا۔ یہ لوگ اپنی خوش اخلاقی، خدمتگذاری، وفاداری اور فداکاری اور غیر معمولی مہارت ودانشمندی کی وجہ سے میزبان ملک کی زندگی کے ہر شعبہ کو پوری طرح متاثر کئے ہوئے تھے اور تمام شعبوں میں اہم عہدوں پر فائز تھے یہاں تک کہ اس حاصل خیز ومختلف النوع ذخائر سے مالا مال سرزمین پر انگیریزوں کے تسلط کے زمانہ تک نہ صرف یہ کہ فارسی ملک وملت کی سرکاری اور عمومی زبان تھی بلکہ اکثر بلند مرتبہ سیاسی اور سفارتی شخصیتیں ایرانی نژاد تھیں۔ مثلاً صفوی دور سے لیکر قاجاری دور کے اواسط تک وہی لوگ ایران میں ہندستانی سفیر بنا کر بھیجے گئے جو ایرانی نژاد تھے اور ہندستان میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔

یہ نکتہ بذات خود اس کی تائید ہے کہ ایک طرف تو ان لوگوں کو اپنے آباء واجداد کی سرزمین سے بڑا گہرا لگاؤ اور پیار رہا ہے اور صدیوں اپنے اصلی وطن سے دور رہنے کے بعد بھی ان لوگوں نے سرزمین ہند اور ہندستانی سلاطین کے دربار میں اپنی شخصیت کو اتنا معتبر اور معتمد بنالیا تھا کہ انہیں ایرانی دربار میں اعلیٰ ترین ہندستانی نمائندہ بنا کر بھیجا جاتا تھا کہ یہ ایران میں ہندستانی مفاد ومصالح کی حفاظت کا کام انجام دیں۔

اس زمانے میں ہندستان' پاکستان اور بنگلہ دیش کے کتب خانوں میں فارسی زبان میں ایک عظیم ادبی' تاریخی' سیاسی اور علمی ذخیرہ موجودہ ہے جو برصغیر ہند اور ایران کی مشترکہ ثقافتی میراث ہے اور مرکز تحقیقات فارسی کی جانب سے ان میں سے بعض اہم ادبی شہپاروں کی اشاعت بھی ہوچکی ہے۔[11]

آخر کلام میں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین ہندستان میں مقیم ایرانیوں کی صادقانہ ومخلصانہ خدمات کا تجزیہ اس مختصر سے مقالے میں ہرگز ممکن نہیں ہے بلکہ اس مقالے کے لکھنے کا مقصد محققین کو ان عظیم علمی وادبی خزانوں کی طرف متوجہ کرنا ہے جو برصغیر کے علمی وادبی مراکز میں محفوظ اور صاحب استعداد محققین کو دعوت تحقیق دے رہے ہیں۔

حوالے:

۱۔ حکیم حبیب الرحمن 'ثلاثہ غسالہ' مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان ص۔ ۷

۲۔ ایضاً ص۔ ۷

۳۔ کتاب بحر العبادت کی وضاحت کے ذیل میں اسی ماخذ کے ص۔ ۶ اور ۷ پر

۴۔ ذبیح اللہ صفا 'تاریخ ادبیات در ایران جلد چہارم' چاپ دوم ص۔ ۲۶ سے ص۔ ۴۷ تک

۵۔ محمد قاسم فرشتہ 'تاریخ فرشتہ' مطبوعہ ہند جلد اول ۲

۶۔ فخری ہروی 'روضۃ السلاطین' مطبوعہ ۱۹۶۸ء حیدر آباد ص ۲۲ اور اس کے بعد

۷۔ تاریخ ادبیات ایران ترجمہ ڈاکٹر عیسیٰ شہابی ص۔ ۳۶۸

۸۔ ایضاً ص۔ ۳۶۵ تا ص ۲۶۶

۹۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد پنجم، قسمت دوم مقدمہ

۱۰۔ مراۃ المجالس سلاطین گورکانی ہند۔ قلمی نسخہ در کتابخانہ' کیمبرج یونیورسٹی لندن

۱۱۔ ثلاثہ غسالہ۔ ص ۱۳

آپ کا صفحہ

قارئین کرام! اسلام علیکم

ادارہ ماہنامہ راہ اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ رسالے کے اس صفحے کو آپ کے حوالے کر دے لہذا آپ حضرات اس صفحے میں شائع شدہ مقالات پر اپنے خیالات کا اظہار، رسالے کو بہتر بنانے کے لئے اپنے مفید مشورے اور اپنی کار آمد تجاویز ارسال کر سکتے ہیں۔

ماہنامہ راہ اسلام کے شمارہ ۱۴۵-۱۴۴ میں قرآنی علوم پر مشتمل ایک علمی مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ذیل میں مقابلے کا نتیجہ اور سوالوں کے صحیح جوابات پیش کئے جا رہے ہیں۔

(ادارہ)

قرآنی علوم کا مقابلہ

قارئین کرام!

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ راہ اسلام کے شمارہ ۱۴۴-۱۴۵ میں قرآنی علوم سے متعلق ایک انعامی مقابلہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا آپ لوگوں نے بھر پور استقبال کیا اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے لوگوں نے اس مقابلے میں شرکت فرمائی اور سوالوں کے جوابات ارسال فرمائے جس کی وجہ سے اس علمی مقابلے کا اہتمام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور آپ کی علمی و مذہبی لگن و دلچسپی کا احترام کرتے ہوئے تاریخ اسلام اور اسلامی اعتقادات پر مشتمل ایک اور علمی مقابلے کے اہتمام میں سرگرم ہو گئے جس کا اعلان آئندہ شماروں میں کیا جائے گا۔

ذیل میں قرآنی علوم مقابلے میں پوچھے گئے سوالوں کا صحیح جواب نقل کرنے سے پہلے چند اہم نکات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ جیسا کہ آپ لوگوں نے خود ہی مطالعہ کیا ہوگا کہ ۳۹ ویں سوال کے ممکن جوابات میں ۳۱ کے بجائے ۳۰ ٹائپ ہو گیا تھا اسی وجہ سے سوال نمبر ۳۹ کو مقابلے سے خارج کر دیا گیا۔

۲۔ درج ذیل پانچ لوگوں کے جوابات میں صرف ایک غلطی تھی باقی سبھی جواب درست تھے انہیں پانچ لوگوں نے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے لہذا ایک ایک ہزار روپیہ انعام کی رقم ان کے پتہ پر ارسال کر دی جائے گی۔

۱۔ جناب علی عباس ۲۔ جناب محمد حسین کرگلی ۳۔ جناب شاداب جعفری ۴۔ جناب بادشاہ حسین ۵۔ جناب حفیظ الرحمن۔

۳۔ مندرجہ ذیل افراد بھی لائق تحسین و ستائش ہیں کیونکہ ان کے زیادہ تر جوابات صحیح تھے اور بہت معمولی سی غلطیاں رہ گئیں تھیں لہذا اگر وہ اپنا مطالعہ جاری رکھتے ہوئے آئندہ مقابلوں میں حصہ لیں تو کامیابی یقینی ہے۔

۱۔ محترمہ نفیس فاطمہ ۲۔ محترمہ نکہت فاطمہ ۳۔ جناب چراغ حسن کامل ۴۔ جناب جمیل الحسن چھولسی ۵۔ جناب شہنشاہ حسین ۶۔ محترمہ شمشاد زہرا ۷۔ جناب شمیم عابد ۸۔ جناب ب۔ ھ۔ جعفری ۹۔ جناب اظہر الدین ۱۰۔ محترمہ اسماء خاتون ۱۱۔ جناب تنویر عالم ۱۲۔ جناب اشتیاق احمد ۱۳۔ جناب ابوالکوثر ۱۴۔ جناب حافظ ابوالفیض ۱۵۔ جناب محمد جہانگیر مظاہری ۱۶۔ جناب نوشاد جعفری۔

صحیح جوابات

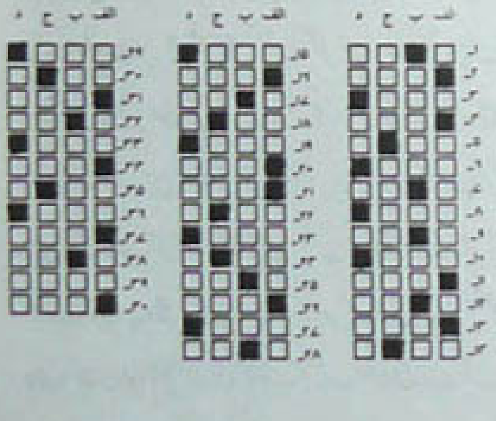

ہمدرد یونیورسٹی میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی کا پندرہ روزہ پروگرام

فارسی آموزی
Persian Refresher Course
Culture House of I.R. Iran

مورخہ ۷ر جون ۱۹۹۸ء کو ہمدرد یونیورسٹی کونشن سینٹر، ہمدرد نگر، دہلی میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی کے پندرہ روزہ پروگرام کا افتتاحیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے اساتذہ کے علاوہ ایرانی اساتذہ بھی موجود تھے۔ اس افتتاحیہ اجلاس میں سید رضا ہاشم، ممبر سکریٹری، پلاننگ کمیشن حکومت ہند اور ڈاکٹر محمود الرحمن وائس چانسلر، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے مہمان معزز اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ عالی جناب حکیم عبد الحمید چانسلر ہمدرد یونیورسٹی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی اپنی موجودگی سے اس اجلاس کو خصوصی رونق بخشی۔

افتتاحیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام ثقافتی کاؤنسلر ڈاکٹر محمد رضا باقری نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے وزیر فرہنگ وارشاد اسلامی، جمہوری اسلامی ایران کا پیغام پڑھ کر سنایا اور اس کے بعد آل انڈیا فارسی انجمن اساتذہ کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبد الودود اظہر دہلوی نے بھی ہندوستان اور ایران کی مختلف یونیورسٹیوں سے آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اپنی مختصر مگر جامع استقبالیہ تقریر کے دوران پروفیسر اظہر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فارسی زبان ہم ہندوستانیوں کے لئے خارجی زبان نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہندوستانی اور ایرانی قوم کی مشترکہ ثقافتی میراث ہے جس کی حفاظت ہمارا مشترکہ فریضہ ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے دوران اس بات پر بھی زور دیا کہ فارسی زبان وتہذیب نے ہندستانی سماج کے ہر شعبہ کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے اور اردو زبان درحقیقت ہم ہندوستانیوں کے لئے فارسی کا گرانقدر تحفہ ہے۔

اس استقبالیہ تقریر کے بعد آنجہانی پروفیسر بشمبھر ناتھ پانڈے اور پروفیسر بھاگوت سروپ جیسے گرانقدر عاشقان زبان وادب فارسی کی وفات پر افسوس وعقیدت ظاہر کرنے کے لئے حاضرین دو منٹ خاموش کھڑے رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید رضا ہاشم صاحب نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت ہند وایران تعلقات اور ہندستانی زبانوں پر فارسی کے اثرات کے سلسلے میں محققانہ اشارے کئے۔ اس کے علاوہ موصوف نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ہندوستانی علما اور دانشوروں نے فارسی زبان وادب کی ترویج واشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی تعاون کا یہ سلسلہ بہت پرانا ہے۔ اپنی تقریر کے آخری حصہ میں ڈاکٹر ہاشم نے یہ امید ظاہر کی اس قسم کے ثقافتی اور تعلیمی پروگرام یقیناً دونوں ملکوں کے درمیان قربت اور نزدیکی کو بڑھاوا دینے میں بہت ممد ومعاون ثابت ہوں گے۔

اس افتتاحیہ تقریر کے بعد بابائے فارسی پروفیسر سید امیر حسین عابدی صاحب نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں فارسی اساتذہ کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ ہم لوگوں کو فارسی کے احیاء کی فکر کرنی چاہئے اور زبان کی تدریس کے سلسلے میں فراہم شدہ جدید ترین وسائل وامکانات کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے محققین پیدا کرنے چاہئیں جو اس زبان کی خاطر خواہ خدمات انجام دے سکیں کیونکہ فارسی عشق ومحبت، بھائی چارہ وآپسی میل جول اور انسانیت دوستی کی زبان ہے۔

پروگرام کے آخری مرحلہ میں اس افتتاحیہ اجلاس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر محمود الرحمن، وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فارسی زبان اور اپنے مخصوص ہندوستانی لہجے میں تقریر فرمائی۔ موصوف کی تقریر کو اگر ہند وایران روابط پر ایک مدلل تحقیقی مقالہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ فارسی اساتذہ کی باز آموزی کے سلسلے میں ہر سال یہ پروگرام منعقد کیا جاتا ہے اور یہ پروگرام کا چودھواں دور ہے لیکن اس چودہ برس کے دوران جناب محمود الرحمن صاحب نے پہلی بار فارسی زبان میں تقریر کر کے یہ ثابت کر دیا کہ انہیں اس زبان

ہے خصوصی عشق و لگاؤ رہا ہے۔

ڈاکٹر محمود الرحمن نے اپنی تقریر میں کہا کہ دراصل ہند و ایران روابط کی تاریخ، تاریخ سے بھی قدیم ہے۔ انہوں نے بعض ماہر محققین کے اس دعوے کی طرف بھی اشارہ کیا کہ قدیم ہندوستان اور ایران باستان کے ثقافتی سرمایہ میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے اور فارسی و سنسکرت زبانوں کے درمیان صدیاں گزر جانے کے بعد جو قربت دکھائی دیتی ہے وہ اس دعوے کی بہترین دلیل ہے۔ موصوف نے دور قدیم سے لے کر مغل دور حکومت کے دوران ہند و ایران روابط کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

انہوں نے آخر میں اپنی فارسی تقریر کا خلاصہ انگریزی میں پیش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ درحقیقت وہ فارسی استاد کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے اور طالب علمی کے زمانے سے انہیں فارسی زبان و ادب سے خصوصی لگاؤ رہا ہے چنانچہ انتظامی امور سے فرصت حاصل ہونے کے بعد وہ اکثر فارسی ادب کا مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی گزشتہ چودہ سال سے کل ہند انجمن استادان فارسی کے تعاون سے اس علمی ورکشاپ کا اہتمام ہر سال کرتا ہے۔ اور فارسی اساتذہ کے اس چودھویں اجلاس کو ہندوستان کے پہلے فارسی پروفیسر سید منظور حسین موسوی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس ورکشاپ کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے پوری طرح باخبر رکھنا اور ہندوستانی و ایرانی فارسی اساتذہ کے درمیان علمی و ادبی موضوعات پر تبادلہ خیال کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے۔

اختتامیہ اجلاس

مورخہ ۲۱ جون ۱۹۹۸ء ہمدرد یونیورسٹی کونشن سینٹر میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی پر مشتمل پندرہ روزہ پروگرام کا اختتامیہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالوحید خان نے بہ حیثیت مہمان خصوصی اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کی صدر محترمہ کپیلا واتسیاین نے صدر جلسہ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ نئی دہلی میں مقیم اسلامی جمہوری ایران کے سفیر عزت مآب جناب محمود موسوی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی و ہمدرد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر جناب عبد الحمید نے اپنی موجودگی سے اختتامیہ اجلاس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔

اختتامیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام کلچرل کاؤنسلر جناب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے اپنی مختصر تقریر میں حکیم عبد الحمید صاحب، آل انڈیا انجمن فارسی اساتذہ اور ایران سے تشریف لائے ہوئے مہمان اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جن کے تعاون کی وجہ سے یہ باز آموزی پروگرام کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس پروگرام کے دوران پڑھائے گئے درسی پروگرام اور اوقات کلاس پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ بھی پیش کی۔

اس کے بعد آل انڈیا فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت فارسی زبان و ادب کی تقریباً ہزار سالہ تاریخ کے دستاویزی مدارک موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسانی قدروں کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پروفیسر اظہر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام

ماہرین زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی یقینی ہے اور اس باز آموزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھنا ہے۔

پروفیسر اظہر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت مآب جناب محمود موسوی نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے

اور زبان مثبت اور منفی دونوں طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پر مشتمل درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہئے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد اختتامیہ اجلاس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالوحید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرانے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہئے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے تاکہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کپیلا وتسیاین نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں نے فارسی زبان کی دلکشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ میں فارسی زبان سے واقف نہیں ہوں لیکن فارسی ادب سے ہمیشہ متاثر رہی ہوں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مولانا روم کی عرفانی تعلیمات اور فارسی زبان کے ذریعہ ہندوستانی صوفیاء کرام کے پیغام انسان دوستی کی بھرپور ستائش کی اور فرمایا کہ ہندوستانی علماء و دانشوروں نے فارسی زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فارسی زبان کے طویل ماضی کی ایک درخشاں تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے لہذا مستقبل میں جو تعلیمی پروگرام مرتب کئے جائیں اس میں فارسی اور دیگر کلاسیکی زبانوں کو ان کا جائز حق ملنا چاہئے۔ انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں محفوظ گرانقدر فارسی سرمایہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تنہا مدراس کی لائبریری میں فارسی کے ۵۵ ہزار مخطوطات موجود ہیں اور اس عظیم ثقافتی میراث کی حفاظت لازمی ہے۔

اختتامیہ اجلاس کے آخری مرحلہ میں باز آموزی پروگرام میں شریک اساتذہ نے اپنے محترم ایرانی اساتذہ کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کیا۔

واضح رہے کہ فارسی زبان و ادب کی باز آموزی کے اس پروگرام میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تقریباً ۴۰ معلمین نے شرکت فرمائی۔ ایرانی استاد پروفیسر راستگو نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ زبان میں اچھی مہارت کے حامل ہیں لہذا آئندہ باز آموزی پروگرام میں فارسی ادب کو خصوصی اہمیت دی جانی چاہئے۔

امام خمینیؒ کی برسی

۴رجون دنیائے اسلام اور مستضعفین عالم کے لئے انتہائی غم کا دن ہے۔ اس روز اس عظیم شخصیت کی رحلت ہوئی جس نے دنیا کو آبرو مندانہ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔ اور مستکبرین عالم کو سرنگوں کر کے احکام خداوندی کے اجرا کا راستہ ہموار کیا۔ اس قائد عظیم الشان کی رحلت کو ۹ سال ہو چکے ہیں۔

امام خمینیؒ کی نویں برسی کی مناسبت سے ہندوستان کے گوشہ و کنار میں تعزیتی مراسم ادا کئے گئے، چونکہ ۴رجون ایام عزائے حسینیؑ کے دوران تھی لہذا زیادہ تر مقامات پر ۴رجون کی مجالس عزا میں امام خمینیؒ کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی۔ سیدۂ عالمیانؑ کی خدمت میں اُن کے ان فرزند کا پرسہ بھی پیش کیا گیا۔

ہندوستان کے بعض شہروں اور قصبوں سے امام خمینیؒ کی برسی کے موقع پر خصوصی پروگرام منعقد کئے جانے کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ ان میں کشمیر، اترپردیش، دہلی، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، راجستھان، بہار، مدھیہ پردیش اور گجرات صوبوں کے اکثر شہروں اور قصبوں میں امام خمینیؒ کی برسی کی مناسبت سے تعزیتی مراسم ادا کئے گئے۔

موصولہ اطلاعات کے مطابق درسگاہ باقریہ لکھنؤ، امام خمینیؒ میموریل ٹرسٹ کرگل، امامیہ مشن اسکول لیہ، ادارہ ابوالفضل العباس ماگام، حوزہ علمیہ مظفر نگر، مومنین کیرانہ مظفرنگر اور انڈو ایران فرینڈشپ سوسائٹی اورنگ آباد کی طرف سے خصوصی پروگرام منعقد کئے گئے۔ جن میں تعزیتی جلسے و جلوس، تقریری و مقالہ نویسی کے مقابلے وغیرہ بھی شامل تھے۔

جشن میلاد النبیؐ و ہفتۂ اتحاد بین المسلمین

نئی دہلی ۱۲ر جولائی کی شام یہاں مریم ماڈل اسکول ذاکر نگر میں امام حسینؑ فاؤنڈیشن آف انڈیا۔ دہلی برانچ کی جانب سے ایک جلسہ میلادالنبیؐ وہفتہ وحدت منعقد کیا گیا۔ اس مبارک محفل کا آغاز جناب ارشاد شاہین نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ جلسہ کی صدارت جناب مولانا عبدالعزیز فلاحی صدر تحریک دعوت القرآن۔ دہلی وسابق صدر ایس۔ آئی۔ ایم آف انڈیا نے انجام دی۔

ڈاکٹر حسن رضا کمیلی نے حضورؐ کی سیرت طیبہ وتعلیمات کے ساتھ پیغمبر اکرم کے مخلص اصحاب کی سیرت واخلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے بہترین مثالیں پیش کیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان صرف ایک دوسرے کو جہنمی ثابت کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم قرآن اور سنت رسولؐ پر صحیح معنی میں عمل نہیں کررہے ہیں۔

مہمان خصوصی حجت الاسلام جناب سید شاہد رضا رضوی (حوزہ علمیہ قم) نے اس روحانی جلسے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ صیہونی طاقتیں ہمارے خلاف طرح طرح کی سازشیں کررہی ہیں" ہم کو آپس میں لڑوانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی سازشوں کے بارے میں امام خمینیؒ نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کو باربار آگاہ کیا اور اس کے ساتھ اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے رہے۔ انہوں نے ۱۲ر تا ۱۷ر ربیع الاول کو ہفتہ وحدت کے طور پر منانے کی تلقین کی تھی۔

مولانا نے امام خمینیؒ کی زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ صدی کے اس مرد مجاہد نے پیغمبر اکرمؐ کی سیرت پاک پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی سامراجی طاقتوں کا بھرپور مقابلہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ پیغمبر اکرم کی ذات ہر دور کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر مسلمان سیرت نبویؐ کی پیروی میں کوتاہی نہ کریں تو قیامت تک انہیں دنیا کی کوئی طاقت ذلیل ورسوا نہیں کرسکتی اور وحدت کلمہ، سنت وسیرت پیغمبر کا اہم حصہ ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں کو متوجہ رہنا چاہئے۔

مولانا موصوف نے اپنی تقریر میں میلادالنبیؐ اور فقہ جعفریہ کے موسس حضرت امام جعفر صادق کی تاریخ ولادت کی مناسبت سے بھی مبارکباد پیش کی۔

صدر جلسہ جناب مولانا عبدالعزیز فلاحی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ حضور کو تو اللہ نے نمونہ عمل بناکر پیش کیا ہے۔ اگر ہم اپنی دنیا و آخرت سنوارنا چاہتے ہیں تو پیارے نبیؐ کی سیرت طیبہ پر عمل کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ دنیا کا کونسا ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کا حل حضورؐ کے پاس نہ ہو کیونکہ حضورؐ پر اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل کیا وہ دنیا کے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔

مولانا فلاحی صاحب نے کہا کہ امام خمینیؒ نے اپنے ملک میں انقلاب لانے سے پہلے اس بات کا پتہ لگایا کہ پانی کہاں مررہا ہے۔ ہمارے ملک میں کس طرح اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہوسکتا ہے وہ امام غائب (عج) کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے رہے بلکہ اپنی عوام کو سیرت طیبہ پر چلنے کی تلقین کرتے رہے اور اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے

جلسہ کی نظامت فاؤنڈیشن کے جنرل سکریٹری جناب علی امام زیدی نے کی اور جناب حسن ظہیر کمل وجناب ارشاد احمد کشمیری نے نعت شریف پڑھیں۔

صدائے اسلامی جمہوریہ ایران کی اردو نشریات

ریڈیو تہران سے صبح کی نشریات	MB	KHZ
SW پر 7 بجے سے 8 بجے تک	31	9570
	41	7130
	49	6005
MW پر 7 بجے سے 8 بجے تک	—	765
شام کی نشریات	25	11830
SW پر 7 بجے سے 8 بجے تک	25	11790
	31	9750
	31	9585
	41	7115
	49	5995
	49	6175
MW پر 7 بجے سے 8 بجے تک	-	765
ریڈیو زاہدان:	25	11830
SW پر رات 9 بجے سے 11 بجے تک	-	1098
MW پر رات 9 بجے سے 11 بجے تک	-	765

تہران: فون نمبر: 0098-21-2162741
فیکس: 00198-21-2053273

مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر لکھیں

پوسٹ باکس نمبر: 4222 نئی دہلی-110084

جلسہ وجلوس

فدا حسین حسینی کی اطلاع کے مطابق: ورلڈ کپ فٹبال میں ۲۱ جون کی رات امریکہ پر ایران نے ایک گول کے مقابلے دو گول کر کے جو فتح حاصل کی' اس کی خوشی میں یہاں سلطان پورہ میں واقع ادارہ امام حسینؑ اسلامک لائبریری کی طرف سے ایک جلوس نکالا گیا جس میں نوجوانوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ ایران کی تائید اور امریکہ و اسرائیل کے خلاف فلک شگاف نعرے لگائے۔ اس کے بعد جلوس نے آگے چل کر ایک جلسہ کی صورت اختیار کی جس میں صدر ادارہ اور دیگر معزز شخصیات نے خطاب کر کے امریکہ کی اسلام دشمن پالیسیوں کی مذمت کی۔ اور عراق میں آیۃ اللہ مرتضی بروجردی اور ۲۱ جون کو نجف اشرف میں جناب آیت اللہ مرزا علی غروی کو قتل کرنے پر عراقی حکومت کی مذمت کی گئی۔

تصحیح وتشکر

ہمارے گرامی قدر قارئین میں ضلع چمپارن (بہار) کے جناب الف رحمان صاحب (سابق وزیر) بھی ہیں جنہوں نے ہمیں متوجہ کیا کہ راہ اسلام شمارہ ۱۶۷-۱۶۸ص ۱۰ پر دسمبر ۱۹۹۸ء کی جگہ دسمبر ۱۹۹۷ء ہونا چاہئے۔ ادارہ رحمان صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قارئین کرام سے کتابت کی مذکورہ غلطی کی تصحیح کا خواستگار ہے۔

(ادارہ)

یوم حسینؑ

۲۰ رجون ۱۹۹۸ء "ڈاکٹر اقبال چیئر" کی طرف سے حضرت امام حسینؑ اور ان کے سرفروشوں کو خراج عقیدت ادا کرنے کے لئے امامیہ پبلک اسکول اچھ گام میں یوم حسینؑ منایا گیا۔ تقریب میں مختلف سرکاری وغیر سرکاری اسکولوں سے آئے ہوئے بچوں نے تقاریر کیں اور نوحہ خوانی کوئز میں حصہ لیا۔ محفل تقاریر کی صدارت جناب غلام حسن حکیم نے کی جبکہ نوحہ خوانی کی قضاوت صفوی میموریل انسٹیوٹ میر گنڈ بڈگام کی پرنسپل محترمہ تحسینہ اختر نے کی۔ تقریب میں بلا لحاظ مذہب وملت متعدد حضرات نے حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ جن میں جناب مختار احمد بٹ' جناب نثار بڈگامی' جناب منوہر بٹ' جناب ولی وحید' جناب سندیپ کمار پادے' جناب شوکت حسین وغیرہ بھی شامل تھے۔

"ڈاکٹر اقبال چیئر" کے کنوینر آغا نثار صفوی نے سٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دئے۔

فارسی کلاسوں کا آغاز

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے زیر اہتمام فارسی زبان کی ابتدائی تا درجہ چہارم کلاسوں کا آغاز ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی میں ۲۱/اگست ۱۹۹۸ء بروز جمعہ سے کیا جارہا ہے خواہشمند حضرات تفصیلی معلومات وداخلہ فارم مندرجہ ذیل پتہ سے (۱۰ بجے تا ۴ بجے شام) حاصل کرسکتے ہیں۔

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
۱۸۔ تلک مارگ نئی دہلی۔ فون: ۴۔ ۳۳۸۳۲۳۲

In the name of Allah,
the Clement,
the Merciful

RAH-E-ISLAM

No.169-170, May-June, 1998

Editor, Printer, Publisher:
Mohammad Reza Bagheri

Contents

The Messengers of Truth (Editorial)
Foundation of Unity
All Indian Persian Teachers Refresher Course
The Caravan of Jihad and the Caravan of Message
From Khordad to Khordad
Woman and World Mass Media
Iran and the Cultural Development of India
Confluence of Religion and Culture

The Rah-e-Islam monthly magazine has allocated some of its pages for English articles. The honourable readers may send their papers to us on the address given below.

Address:
The Editor, **RAH-E-ISLAM**
18, Tilak Marg, New Delhi-110001
Tele.: 3383232-4 Fax. No.3387547

THE MESSENGERS OF TRUTH

The Creator of this universe sent Hazrat Adam (AS) as the promoter of mankind and also to guide the world people to the Divine path, which will ultimately lead them towards the real success and glory and will enable them to be away from evils. After Hazrat Adam, so many prophets came to the human world to keep the light of guidance burning and Hazrat Muhammad (S.A.W.A.W) being the last prophet made the Divine mission perfect.

During his lifetime, Prophet Muhammad (S.A.W.A.W) tolerated all kinds of sufferings, but continued the Islamic mission of guiding the masses to the right path and also made all possible arrangements for its protection from the enemies by introducing Imams, who were assigned the job of guiding the Muslim Ummah after his death. But even half a century could not pass after the death of Prophet Mohammad (S.A.W.A.W) when the most corrupt person of the period Yezid son of Muavieh claimed the leadership of Islam and Islamic Ummah. The grandson of Prophet Muhammad (S.A.W.A.W) Hazrat Imam Hussain (AS) could not tolerate it and raised his voice against the ruling regime. Yezid tried to suppress his voice of Islamic Revolution by adopting all possible means of tyranny and oppression. But he could not succeed in his unholy mission as Hussain offered the most valuable sacrifices of his companions, sons and relatives during the historic tragedy of Karbala, which protected Islam for ever. In fact, it was the Hussaini revolution of Karbala, which influenced all other revolutions emerging throughout the world.

During the period of Imam Mahdi's disappearance so many movements were started for the revival of Islam but these were either defeated or had deviated from the right path of Islam due to lack of unity among the Muslim masses. Imam Khomeini, being a descendant of the holy progeny of the prophet of Islam followed the prophet's footprints, persued the teachings of Imam Hussain and staged his exalted Islamic Revolution, which emerged victorious inspite of the strongest possible opposition by the imperialistic forces. He established the Islamic Republic system of governance under the Islamic principle of Velayat-e-Faqih i.e. supremacy of jurisprudence.

Following the tragic and sorrowful death of Imam Khomeini, Hazrat Ayatullah-ul-Uzma Syed Ali Khamenei shouldered the responsibility of the leader of Islamic Revolution and has so far successfully been guiding the Iranian people and the Islamic Republic of Iran towards the path of Islamic success and glory with the aim of handing over this great Islamic legacy to its real custodian in Imam Mahdi.

FOUNDATION OF UNITY

– Dr. Mohammad Reza Bagheri

Scholars and men of letters from all over the world have unanimously accepted the importance of unity, cooperation and love, and, in their remarkable writings. They have advised against creating division and causing disunity, which ultimately results in devastation and destruction, for unity is a source of success, development, greatness and glory. Any kind of great success can be achieved with the help of unity, mutual cooperation and brotherhood.

Most of the living creatures follow the norms and principles of unity, cooperation, togetherness and friendly co-existence. This is because of the natural feeling, which is a gift from the Almighty. We can see the life of ants and bees. Besides, other animals like deers and monkeys also live in unity and co-operation with each other. All this is because of the same natural unity, which is a great gift of God to the worldly creatures.

we see, the ants, by following the principles of unity and co-operation collect their food for difficult days and are thus protected from annihilation

Unity, in fact, is the most important factor that protects our existence. Its role is more important than that of physical force. One can lead better life under the banner of unity. As we see, the ants, by following the principles of unity and cooperation collect their food for difficult days and are thus protected from annihilation.

As scholars have stated, a human being is a social creature and the feeling of unity and cooperation exists in his nature. The human society leads a happy and prosperous life by following the norms and principles of unity, by making use of the experience of each other and by forging unity and extending helping hands in resolving their day today problems and difficulties. The human society in the past was confronted with differences and clashes because of not adhering to the principles of unity. The result of these differences among the rising number of people has lead to nothing but total disasters. The Almighty, in order to bestow His special mercy, sent His messengers to guide mankind towards the path of unity and to keep them away from divisions and differences. There is a difference between the unity of species and human beings. The animals are living in unity because of their inherent natural feeling and instinct. They are not capable of applying their mind. Since they don't have wisdom, they cannot think of the merits and demerits of unity and division. But human beings have the ability of pondering over issues and making progress by applying their mind and selecting their proper way.

In fact, the foundation of this world was laid and strengthened on the principle of unity. If there would not have been one aim of human life and one co-ordinated system would not have ruled over human society, it would have been completely destroyed. Similarly, if there would not have been unity among the particles of a thing, it could not have possessed its external look or existence.

As we know, the atom is the smallest possible part of an object for the tip of a needle has more than hundred millions atoms in it. If atoms of things were not united with each other then things would not have come into existence. Therefore, it was the law of unity, which had played a pivotal role in bringing so many creatures into existence.

God is the creator of whole universe. The religious laws are also the creation of Almighty. Therefore the element of similarity does exist between human existence and the divine law. Since the existence of all creatures is the result of unity and co-existence, the materialistic and spiritualistic success and glory of the human society also depends upon law of unity amongst them. It was for this reason that Islam has

formulated norms and principles of unity among its followers, so that they remain united and protect their Islamic entity without fail.

The basic law and principle of Islam like monotheism, the universal aspects of Islam, freedom and Islamic brotherhood, social cooperation, collective responsibility, mosques, daily and Friday congregational prayers, Haj and the Arabic language of Quran are the important elements, which directly or indirectly bring about unity and co-ordination among Muslims.

In pursuance of the basic principle of Islam, every Muslim, irrespective of distance and geographical limits and boundaries is considered to be an integral part of Islamic ummah and enjoys equal rights under the banner of Islam. As the renowned scholar and the exalted Indian poet Iqbal says:

امر حق را حجت و دعوا یکی است
خیمه های ما جدا دلها یکی است
از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندانیم ما

The divine law is one, which is followed by every Muslim. Though we live at separate places like Hejaz, China and Iran but our hearts are united with each other like one dew drop of a smiling morning.

The present world with the existing conditions is heading towards such a moral and cultural debacle, which will ultimately result in the downfall of the human moral values. If this phenomenon continues, the human race will meet with total destruction and disaster. In such inhuman circumstances, the responsibility of every Muslim increases manifolds. The teachings of Islam are more important and relevant during these days. Islam, at the time of its emergence, showed the path of spiritual and material growth to the human world and enabled it to live and lead a happy life. But because of non-adherence to the basic principles of Islam, now the Muslims are passing through such a humiliating atmosphere that their Islamic land of Palestine and their first Qibla (*Bait-ul-Muqaddas*) has now been converted into a Zionist base and has been completely usurped by the Zionists, who are subjecting the Palestinian Muslims to various inhuman oppressions. The Zionist elements are actively engaged in hatching such conspiracies which could divide the Muslims into small groups and could cause enmity and clashes among them.

it was the law of unity, which had played a pivotal role in bringing so many creatures into existence

In order to damage the Islamic entity of world Muslims, the Zionist and imperialist forces create differences and divisions among Muslims on the following lines:

1. By propagating the westernised culture.
2. By developing a feeling of humiliation and demoralisation among the Muslims.
3. By creating such feelings among the Muslims that they are not capable of fighting against the imperialist forces.
4. By discouraging Muslims from establishing Islamic governments in their respective nations.
5. By discouraging them from the establishment of real and practical Islamic unity among world Muslims.

Contrary to the anti-Islamic propaganda by the Zionist and imperialist forces the followers of Islam can establish and strengthen unity among themselves by adhering to the following norms and principles:

1. Unity and unanimity of belief
2. Unity and unanimity of action and practice
3. Unanimous leadership
4. Unanimous aims and objects
5. Unity of sentiments, morals and qualities
6. Unanimity of culture

If the Muslims of the world really follow and adhere to the above mentioned principles, they will surely get success in forging stable and everlasting Islamic unity among themselves. By achieving the goal of Islamic unity the Muslims can easily introduce Islam to the world as a religion of liberation from the clutches of inhuman evils.

In fact, the purpose of sending prophets to the human world was nothing but to guide humanity towards the path of success and glory and also to enable mankind to get rid of various evils. Islam, being the last Divine religion, has to shoulder the great responsibility of guiding the human world, which can not be feasible without unity among the Muslims. Therefore every Muslim is dutybound to strive for translating the Islamic unity into practice.

ALL INDIA PERSIAN TEACHERS REFRESHER COURSE

The inaugural session of the All India Persian Teachers Refresher Course was held on June 7, 1998 at the Convention Centre of Hamdard University. Besides a large number of Persian teachers from all over India, Mr. Syed Reza Hashim, the Member-Secretary, Planning Commission, Government of India and Dr. Mahmood-ur-Rehman, the Vice-chancellor, Aligarh Muslim University were also present as Chief Guest and the Guest of Honour respectively. The chancellor of the Hamdard University and Aligarh Muslim University, Hon'ble Hakeem Abdul Hameed and a group of distinguished Iranian scholars also graced the occasion.

The inaugural session was started with the recitation of verses from the Holy Quran. Later the Officiating Cultural Counsellor of the Islamic Republic of Iran, Dr. Mohammad Reza Bagheri read out the message of the Iranian Minister of Culture and Islamic Guidance.

While addressing the august gathering of teachers and intellectuals, Prof. A.W. Azhar, the General Secretary of the All Indian Persian Teachers Association said that Iran Culture House in collaboration with AIPTA organises this academic programme every year with the aim of keeping the Persian teachers of India in touch with the latest trends and developments in Persian language and literature.

Referring to the relevance and importance of Persian language and literature, Prof. A.W. Azhar said Persian is a common and joint legacy of the Indian and Iranian people and its protection is obligatory on our part as it has influenced almost all spheres of the Indian life in one or the other manner.

Later, the Chief Guest of the session Syed Reza Hashim delivered a brief speech wherein he referred to the importance of Persian language in India, Indo-Iranian relations and the impact of Persian language on the Indian languages. He also made a scholarly reference to India's contribution to the development of Persian language and asserted that the history of cultural co-operation between India and Iran is very old and we should promote this age-old co-operation which will help in promoting bilateral relations.

At the end, the inaugural session was addressed by Dr. Mahmood-ur-Rehman, the Vice-chancellor of AMU, who delivered his speech in Persian language with his special Indian accent. Dr. Rehman said that the history of Indo-Iran relations is older than history and the similarity existing between Sanskrit and Persian is a witness to it. Later he presented a brief account of Indo-Iranian relations from the ancient age till the Mughal period.

In this inaugural session glorious tributes were paid to Prof. Vishambhar Nath Pandey and Prof. Bhagwat Swaroop, who had patronised Persian language till they breathed their last recently.

The Valedictory session of the 14th All India Persian Teachers Refresher Course was held on June 21, 1998 at the Convention Centre of the Hamdard University. Dr. Abdul Wahid Khan, the Vice-chancellor of Indira Gandhi Open University was the Chief Guest and Dr. Kapila Vatsyayan, President of India International Centre presided over the session. The Ambassador of the Islamic Republic of Iran His Excellency Mr. Mahmood Mosavi and Hon'ble Hakim Abdul Hamid, the Chancellor of Hamdard University and Aligarh Muslim University, also graced the occasion.

The session commenced with the recitation of verses from the Holy Quran. Later Prof. A.W. Azhar, General Secretary, All India Persian Teachers Association delivered a brief speech referring to the importance and relevance of Persian language and also the role which this language played in the promotion of humanism. Prof. A.W. Azhar said "In fact, Persian language and literature has an established background of about a millennium. Since every

language undergoes changes, this workshop is organised every year to make the Persian teachers of India conversant with changes occurring in the Persian language and literature."

Later the Officiating Cultural Counsellor of the Islamic Republic of Iran Dr. Mohammed Reza Bagheri, in his speech expressed his sincere thanks to Hon'ble Hakim Abdul Hamid, the All India Persian Teachers Association and to the Iranian teachers for their valuable academic cooperation, which made this Refresher Course successful. He also expressed his sincere thanks to all the delegates who had participated in this workshop. Dr. Bagheri read out a comprehensive report on the classes which were organised and the content of the courses which were taught during the 14th Refresher Course.

Later the Ambassador of the Islamic Republic of Iran his Excellency Mr. Mahmood Mosavi, while addressing the audience referred to the positive and negative role of languages and invited the honourable scholars of Persian to go through the glorious past of this language in India and evaluate the role which this language of love has played in the over all development of sciences in the sub-continent.

His Excellency further referred to the Cultural colonialism prevailing all over the globe and said that the scholars after going through the contribution of this language will ultimately come to the conclusion that Persian has never been the language of colonialistic designs.

Later the chief guest of the session Prof. A. Wahid Khan, Vice-chancellor, Indira Gandhi National Open University in his speech said that

while making the teachers of Persian acquainted with the latest developments in Persian language and literature, efforts should also be made to make use of the modern techniques of imparting necessary training and education.

While delivering her presidential address Dr. (Ms.) Kapila Vatsayayan, President, India International Centre, referred to the importance of Persian language and literature and also to India's contribution in promotion and development of this language of love and brotherhood and said, "Our libraries in India are full of Persian manuscripts produced by the Indian scholars". She also said more than 55000 Persian manuscripts are preserved in the Madras library. It shows that our ancestors rendered valuable services to this language. She also referred to India's contribution in promoting sufistic teachings and said that Indian sufis made use of this language to popularise their message of universal brotherhood. She also said that while making our future plans for education we should give necessary credence to our past too and Persian should naturally get its justified share.

One of the prominent Iranian Professor's Dr. Rastgoo while highlighting the knowledge of Indian delegates in the field of Persian language said that the organisers should prepare a literature oriented curriculum of studies for the refresher courses in the years to come.

Later in the pursuance of Indian tradition of *"Guru dakshina"* small gifts were presented to the Iranian professors by the Indian delegates.

The Caravan of Jihad and the Caravan of Message

As per the Islamic calendar Muharram and Safar are regarded as the months of mourning. The majority of Muslims all over the world organise "Mourning Meetings" to commemorate the martyrs of Karbala, who protected Islam by offering their pious blood.

After the tragic martyrdom of Imam Hussain (A.S.), his relatives, sons and companions at Karbala desert, the ruling regime of Yezid

was of the opinion that the revolutionary voice of Hussain against tyranny, injustice and inhuman evils has been annihilated. But Hazrat Zainab (S.A.), the elder sister of Imam Hussain, who was an eyewitness of the tragedy of Karbala, stood up against the ruling regime. She delivered heroic speeches in Yezid's court during her captivity and conveyed the message of Imam Hussain (A.S.) to the people in such manner that even after passing of more than a millennium, the message of Imam Hussain is still alive.

The Caravan of Jihad was consisting of the soldiers of Islam, who had fought against the enemies at the battlefield in Karbala and the caravan of message was consisting of the family members of Imam Hussain (A.S.), who were made captives after the martyrdom of the warriors of Islam in Karbala. The caravan of Jihad was led by Imam Hussain (A.S.) whereas the leader of the caravan of message was Hazrat Zainab (S.A.).

FROM KHORDAD TO KHORDAD

Khordad is the third month of the Iranian calendar and is considered to be a very important month in the history of Islamic Revolution of Iran, as the events, which occurred in this month, had a direct impact on Iranian people.

The first Khordad: The people of Iran were living under pressure and suffocation during the former despotic Shahi regime. They were subjected to various kinds of inhuman oppressions and wanted to get rid of the pro-US rulers in order to save their Islamic Culture. On the other hand, the former rulers were busy in pleasing their western masters engaged in usurping the national assets of Iran. In order to provide limitless facilities, the government of Iran signed "Capitulation Accord" with the US Administration. As per the accord, no Iranian court had the jurisdiction of initiating legal and judicial proceedings against any of the American citizens living in Iran irrespective of the serious nature of crime committed against any Iranian national.

Imam Khomeini raised his revolutionary voice against this shameful accord and gave a call to the Iranian people to fight against such inhuman and anti-Islamic policies and programmes of the ruling regime. The Iranian people all over the country expressed their full support to Imam Khomeini and an Islamic movement was started.

In order to crush this Islamic movement, the ruling regime launched attacks on the religious centres in Qum and Meshhad cities. It was 14th of Khordad 1342 (1963), when the agents of the former regime arrested Imam Khomeini. The news of Imam Khomeini's arrest was spread all over the country and millions of the Iranian people staged a demonstration on 15th of Khordad month. The Iranian army man killed

thousands of the innocent people of Iran including women and children. This day is remembered as Black Day and the people of Iran reaffirm their allegiance to those who embraced martyrdom on the day.

The second Khordad: Another important and historic event which occurred on 14th of Khordad month 1368 (1989) was the tragic death of the leader of Islamic Revolution and the founder of the Islamic Republic of Iran Imam Khomeini, who liberated the Iranian people from the clutches of the despotic regime and strived for the revival of Islam all over the world.

Woman and World Mass Media

The picture of a woman, as presented in world mass media, looks like a week, oppressed and exploited creature. She has been converted into a source of sexual enjoyment and a publicity material. So many national and international organisations, proclaiming to be the real custodian of women's rights, started various movements for the restorations of the legitimate rights of women. But much success could not be achieved because of the deviation of these movements from the right directions. The demand of equal rights for men and women is legitimate and

justified but similar rights responsibilities cannot be given to both of them in view of their different biological structure. Similarly, contrary to the dangerous propaganda being made by the world media, the men and women are not the enemies and opponents of each other rather they are the compliment of each other and the promotion and expansion of human society fully depends upon close and sincere cooperation between them.

Iran and the Cultural Development of India

The writer in this article has presented a brief account of the contribution of Iranian scholars and writers to India's development in the field of art, literature and culture.

During the Mughal period India

was converted into a centre of scholars, poets, writers, musicians, and artists. A large number of great Iranian scholars arrived in India along with Humayun. They enjoyed full patronage at the royal court and contributed a lot in every field of Indian life. They introduced a new style of writing in Persian language, which is known as *"Sabk-e-Hindi"* and which was followed by top ranking Iranian scholars and poets. The beautiful monument of love known as the Taj Mahal is regarded as an Iranian soul in an Indian body and Urdu language is regarded as a great gift of Persian language for the people of this sub-continent.

Confluence of Religion and Culture

In fact, anything related to human life is culture which consists of social traditions, literature, style of living, music, art and painting etc. All these

things are the valuable creations of mankind.

While trying to find out relations between religion and culture, we should analyse whether the divine revelation denies the importance of human culture and presents a new culture. The Quran and Hadith are the two important pillars of Islam and the science of jurisprudence enables a Muslim to distinguish between *Halal* and *Haram* (religiously allowed and forbidden). In fact, the culture of all the people from all over the world, who embraced Islam, was protected and promoted under the banner of Islam. At the same time, Islam does not support such social traditions which are violative of the Islamic tenets and principles and also which do not have conformity with the natural human values.

THE DEATH ANNIVERSARY OF IMAM KHOMEINI

The death anniversary of Imam Khomeini, which falls on 4th June every year, is observed as a day of mourning throughout the Islamic world. The Muslims all over the world pay rich tributes to the departed leader by organising seminars, symposiums and conferences on his personality and thoughts, which have awakened the masses in common and the Muslims in particular. He had given a call to the people of the world to rise against the nefarious designs and satanic conspiracies of the enemies of Islam and humanity so that a real and everlasting peace could be restored all over the world.

The Muslims and other freedom loving people of India also paid glorious tributes to Imam Khomeini by holding meetings, seminars and symposiums throughout the country.

Prophet's Birthday and Unity Week

On the auspicious birthday anniversary of Prophet Hazrat Muhammad (S.A.W.A.W) special meetings, seminars, symposium and street marches were organised all over India.

Thousands of our Muslim brothers organised a street march in old Delhi on July 7, 1998 to celebrate the birth anniversary of Prophet Muhammad (S.A.W.A.W). A number of religious personalities and leaders of various political parties attended the street marth. While addressing the people, these leaders hailed of the teachings of prophet Muhammad (PBUH) and said that we should strictly follow the message of love humanism brotherhood and peaceful co-existence, which prophet publicised throughout his life.

On July 11, 1998 the Aligarh Muslim University in collaboration with Culture House of Iran organised a Unity Symposium to mark the birth anniversary of Prophet Muhammad. Besides a large number of the university teachers and students, His Excellency Dr. Muhammad Reza Bagheri, the Officiating Cultural Counsellor of the Islamic Republic of Iran, Dr. Mahmoodur Rehman, the Vice-chancellor of AMU, Mr. Mosa Reza, the Chairman of the India Islamic Centre, New Delhi, Janab Maulana Feeroz Haider and Prof. A.W. Azhar were also present in the unity celebrations.

Most of the speakers emphasised upon the need of unity, which they asserted, can easily be achieved if we strictly follow the traditions of our prophet.

RAH-E-ISLAM
(Urdu Monthly) R.N.I. No.49147/88
No.169-170, Mary-June 1998

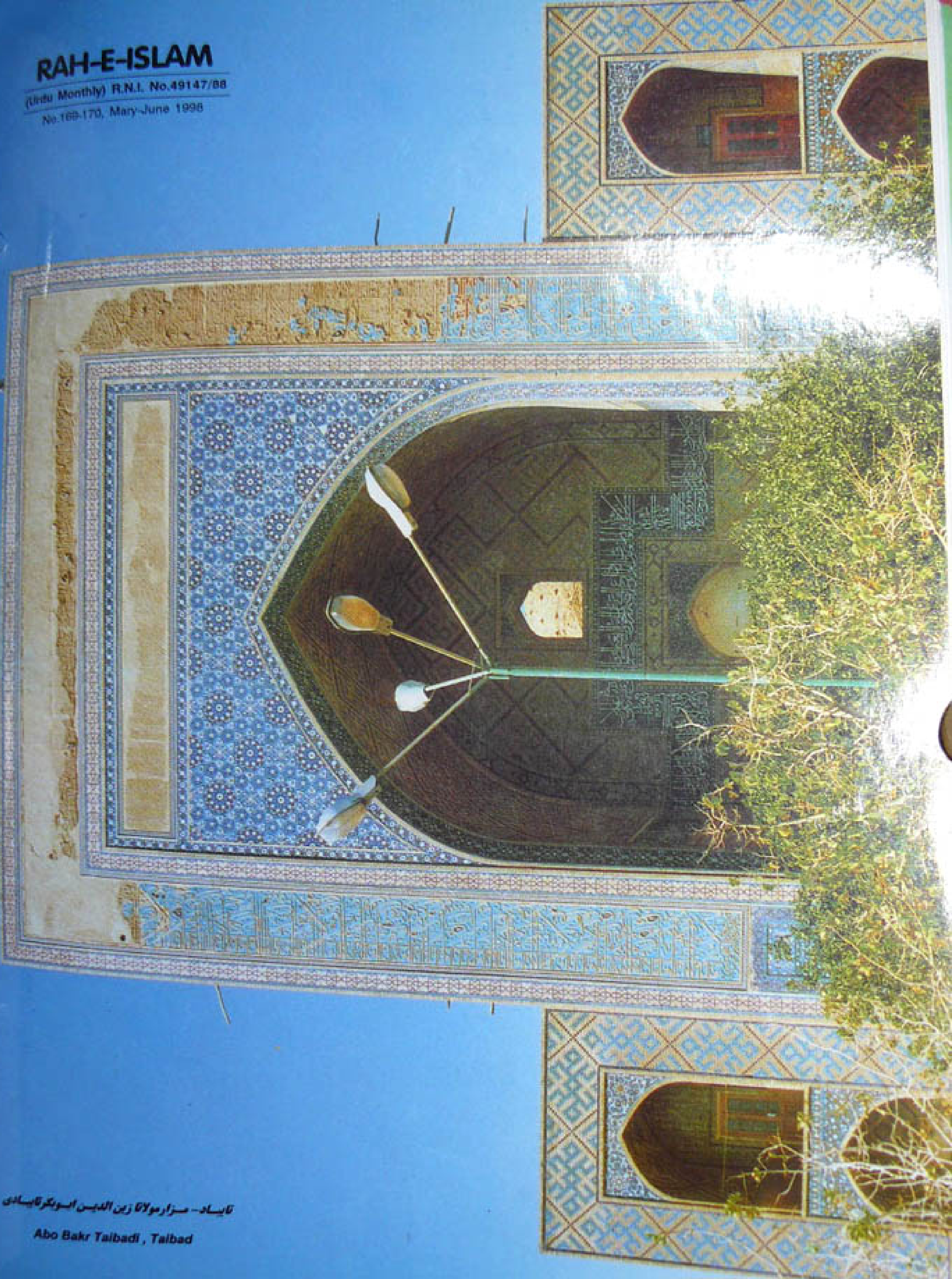

تایباد - مزار مولانا زین الدین ابوبکر تایبادی

Abo Bakr Taibadi , Taibad